www.paksociety.com
ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
اگست ۲۰۱۲ء
عید مبارک
آزادی مبارک
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام

اشاعت کا ۶۰ واں سال

یادگار: شہید پاکستان حکیم محمد سعید

ماہ نامہ ہمدرد نونہال کراچی

اگست ۲۰۱۲ عیسوی

رمضان المبارک ۱۴۳۳ ہجری

شمارہ ۸

جلد ۶۰

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ٹیلے فون ← 36620945 سے 36620949

ایکسٹینشن ← (054 یا 052 یا 066)

فیکس نمبر ← (92-021) 36611755

ای میل ← hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ← www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) ← www.hamdard.com.pk

ویب سائٹ ادارہ سعید ← www.hakimsaid.info

ISSN 02 59-3734

صدر مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
مسعود احمد برکاتی

قیمت عام شمارہ ۳۵ روپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۳۸۰ روپے

سالانہ (ذریعہ ایجنٹ) ۳۴۰ روپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰۰ روپے

سالانہ (غیر ممالک سے) ۵۰ امریکی ڈالر

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا احترام ہم سب پر فرض ہے

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی اور ہمدرد فاؤنڈیشن نے عظیم نونہالان پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۷۴۶۰۰

ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف
چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے اس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر
ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم الله الرحمٰن الرحيم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

عید کے معنی کیا ہیں؟ عید کے لفظی معنی ہیں بار بار آنے والی چیز۔ عید کے معنی خوشی، مسرت، فرحت اور جشن کے بھی ہیں۔ مسلمان ہر سال رمضان کے بعد جو خوشی مناتے ہیں، اس کو عید الفطر کہتے ہیں۔ میٹھی عید بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

سچی خوشی کبھی اکیلے نہیں منائی جاتی، بلکہ دوسروں کے ساتھ مل کر منائی جاتی ہے۔ انسان کا دل اسی وقت خوش ہوتا ہے، جب دوسرے بھی خوشی میں شامل ہوں۔ اگر تمھیں کوئی خوشی ملے، مگر تمھارے بہن بھائی، ماں باپ، دوست اور ساتھی اس سے خوش نہ ہوں تو تمھارا دل بھی بجھ جائے گا اور تمھاری خوشی بھی ادھوری رہ جائے گی۔

عید کی خوشی بھی اس لیے زیادہ خوشی معلوم ہوتی ہے کہ اس میں سب شریک ہوتے ہیں۔ سارا گھر عید کی تیاری کرتا ہے۔ نئے کپڑے سلوائے جاتے ہیں۔ عید کی صبح سب اکٹھے تیار ہوتے ہیں۔ سب مل کر عید کی نماز کو جاتے ہیں۔ عید کی جماعت بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔ عید گاہ میں ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ نماز کے بعد گلے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔

نماز کے بعد محلے میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ عزیزوں کے ہاں ملنے جاتے ہیں۔ اچھے اچھے کھانے کھائے جاتے ہیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی ہیں۔

بزرگ اپنے بچوں کو اور چھوٹوں کو عیدی دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ جو بچے (یا بڑے بھی) اپنے حالات کی وجہ سے عید کی تیاری نہیں کر سکتے، ہم ان کو یاد رکھیں اور ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ بھی عید کی خوشیاں پوری طرح منا سکیں۔

جس دن ہمارے ملک میں کوئی بھوکا، ننگا اور محتاج نہیں رہے گا، وہ دن ہمارے لیے سب سے بڑی عید کا دن ہوگا۔

(ہمدرد نونہال اپریل ۱۹۹۳ء سے لیا گیا)

مسعود احمد برکاتی

نونہال دوستو!

وقت کیسی تیزی سے گزرتا ہے۔ جون میں خاص نمبر شائع ہوا، ابھی اس پر کی گئی محنت سے ہماری تھکن نہیں اُتری تھی کہ جولائی کا شمارہ مرتب کرنا پڑا۔ ہم نے جولائی کا شمارہ بھی جولائی سے پہلے ہی آپ کے ہاتھوں میں پہنچا دیا، مگر وقت کہاں رُکتا ہے، وہ تو سرپٹ دوڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ اگست کا شمارہ بھی آنا چاہیے۔ اچھا! لیجیے، یہ بھی حاضر ہے۔ ہم ہارے نہیں۔ وقت کی یہ عادت ہے کہ جو انسان وقت کی تیز رفتاری کو نہیں سمجھتا اور اس کا ساتھ نہیں دینا چاہتا، وقت بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح وہ انسان پیچھے رہ جاتا ہے اور نقصان اُٹھاتا ہے۔ قوموں کا بھی یہی حال ہے کہ جو قومیں وقت کو نہیں سمجھتیں، اس کی قدر نہیں کرتیں، وہ نقصان اُٹھاتی ہیں۔

اچھا بھئی! یہ باتیں تو اپنی جگہ ہیں، پہلے مبارک باد تو قبول کرلیں، ایک نہیں دو مبارک بادیں۔ پہلے تو آزادی کی مبارک باد۔ ہم ۱۴- اگست ۱۹۴۷ کو آزاد ہوئے تھے۔ ہمیں آزاد زندگی گزارنے کا موقع ملا، تاکہ ہم اچھے اچھے قانون بنائیں اور ان پر آزادی سے عمل کریں۔ آزادی آج بھی ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم پیار محبت، محنت، سادگی سے زندگی بسر کریں۔

دوسری مبارک باد عید الفطر کی پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عید کی خوشیاں منانے کا موقع عنایت فرمائے۔

آج وقت ہم سے سوال کر رہا ہے کہ ہم خوش کیوں نہیں ہیں۔ ہم آپس میں کیوں لڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کا خیال کیوں نہیں رکھتے، ایسے کام کیوں کرتے ہیں، جن سے دوسروں کو تکلیف ہو، نقصان پہنچے۔ ہم وقت کو کیا جواب دیں؟ وقت کو جواب دیں کہ اب تک جو کچھ ہوا، اچھا نہیں ہوا، لیکن اب ہم سمجھ گئے ہیں۔ اب ہم آپس میں شیر و شکر ہو کر ایک دوسرے کے کام آئیں گے اور پیارے وطن پاکستان کو امن، محبت، سکون اور ترقی کا گھر بنائیں گے۔ ☆

عید الفطر آ گئی

امان اللہ نیر شوکت

وہ ہنس گئی، ہنسا گئی
فسردہ دل کھلا گئی
بہار بن کے چھا گئی
مسرتیں لٹا گئی
عید الفطر آ گئی

وہ دوستوں کے جمگھٹے
فلک شگاف قہقہے
ہوئے ہیں دور سب گلے
دلوں کے میل دھل گئے
عید الفطر آ گئی

سجی ہوئی ہیں بستیاں
کھلے ہوئے ہیں گلستاں
ہیں جمگھٹے یہاں وہاں
ہو رونقوں کا کیا بیاں
عید الفطر آ گئی

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نیکی کرنے سے عمر بڑھتی ہے۔

مرسلہ: مہوش حسین، کراچی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

محبت دور کے لوگوں کو قریب اور عداوت قریب کے لوگوں کو دور کر دیتی ہے۔

مرسلہ: راجا ثاقب محمود جنجوعہ، پنڈ دادن خان

شیخ سعدیؒ

دوسروں کا سلوک چاہے تمھیں پسند نہ ہو، لیکن تمھیں اپنا نیک سلوک نہیں چھوڑنا چاہیے۔

مرسلہ: وجیہہ اقبال، کراچی

حضرت داتا گنج بخشؒ

ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور گھر کی زکوٰۃ مہمان داری ہے۔ مرسلہ: فاروق احمد صدیقی، کراچی

حکیم لقمان

جدوجہد نہ کرنا، محتاجی کا سبب بن جاتا ہے۔

مرسلہ: عبدالرافع، لیاقت آباد

مولانا روم

زیادہ قسمیں کھانے والا زیادہ جھوٹ بولتا ہے۔ مرسلہ: رخسار اکرم، غریب آباد

شہید حکیم محمد سعید

کسی دوسرے شخص میں برائی ڈھونڈنے سے پہلے ایک بار اپنے اندر بھی جھانک کر دیکھو کہ وہی برائی تم میں بھی تو نہیں۔

مرسلہ: سیراج خان، امازئی

ارسطو

ادب انسان کا زیور ہے۔

مرسلہ: سامعہ ثناء اللہ، کراچی

ماؤزے تنگ

دوسروں کا برا چاہنے والا کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ مرسلہ: محمد طلحہ مغل، ڈگری

ٹالسٹائی

زندگی میں حرکت پیدا کرنے والی قوت ''اعتماد'' ہے۔

مرسلہ: محمد ایان فیصل، نارتھ کراچی

اونچا، ارفع، اعلا

ابصار عبدالعلی

سن لو بچو! سنائیں تم کو سچی بھلی کہانی ہے
سب کو پتا ہے ہیرو اس کا پاکستان کا بانی ہے

سرسید کا تھا وہ اشارہ ، خواب میں جو اقبال کے آیا
پاک کہانی کے ہیرو نے خواب وہ سچا کر دکھلایا

ہندستان کے لاکھوں مسلم اس کے پیچھے پیچھے آئے
چاند ستارے والے پرچم کونے کونے میں لہرائے

ہندو ، مسلم دو قوموں کو ایک نظریہ یوں سمجھایا
دو قوموں کے ملک بھی دو ہوں ، بن کے رہیں اچھا ہمسایا

دونوں کو ، دو قومی نظریہ ، امن و محبت کا پیغام
خود بھی جیو اور جینے بھی دو ، ورنہ کیسے چلے گا کام

تئیس مارچ انیس سو چالیس ، منزل کا اعلان ہوا
پاکستان بنانا پھر تو ہم سب کا ایمان ہوا

چودہ اگست سنہ سینتالیس کو اچھے دن واپس لوٹ آئے
پاکستان ہوا قائم تو ہم پاکستانی کہلائے

سچے دل سے مان لو سچی بات کہ پاکستان ہے سچ
پاک و ہند ، آزاد ملک ہیں، دونوں کی پہچان ہے سچ

پاک کہانی کے ہیرو نے ہم کو یہاں تک تو پہنچایا
اس کے بعد میسر ہم کو پھر نہ ایسا ہیرو آیا

وہ ہیرو ، وہ اپنا محسن ، وہی ہمارا قائداعظم
اونچا کرکے چلا گیا وہ ، دیکھو سبز ہلالی پرچم

اس کو اونچا رکھو گے تو تم بھی اونچائی پاؤ گے
ورنہ دنیا کے میلے میں رُسوا ہوکر کھو جاؤ گے

سائنس پڑھو ، ٹیکنالوجی کی ہوا میں اونچے اُڑتے جاؤ
یہی ہے رستہ خوشحالی کا ، علم کے اس رستے پر آؤ

پاکستان کا ہر اک بچہ ، بن جائے بس ایسا ہیرو
جیسا پاک کہانی کا ہے اونچا ، ارفع ، اعلا ہیرو

آزادی کے بعد

مسعود احمد برکاتی

کسی چیز کو بھی حاصل کرنے میں آدمی کو محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اپنی توجہ اور قوت کو اپنا مقصد پانے کے لیے لگانا پڑتا ہے۔ اس چیز کو حاصل کرنے کے بعد اسے قائم رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے اس سے زیادہ محنت اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کی اور پاکستان قائم کیا اور ہمیں آزادی حاصل ہوگئی۔ آزادی حاصل کرنا ایک مشکل کام تھا۔ اس کے لیے ہمیں بڑی کوششیں کرنا پڑیں۔ ہم برسوں تک اس کے لیے لڑتے رہے۔ ہمیں بڑی بڑی قربانیاں دینا پڑیں۔ ہمارے رہ نماؤں نے اس کے لیے تکلیفیں اُٹھائیں، قید و بند کی تکلیفیں برداشت کیں۔ ہم نے اپنی جانوں کی قربانی دی، ہمارے مال لٹے۔ اتنی محنت، کوشش اور قربانی کے بعد ہمیں آزادی حاصل ہوئی، اس لیے اس کا قائم رکھنا اور اس سے فائدہ اُٹھانا ہمارا فرض ہے۔ آزادی کو برقرار رکھنا اخلاقی، قومی اور دینی لحاظ سے بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ آزادی کا حاصل کرنا بہت مشکل، مگر اتنا مشکل نہ تھا، جتنا اس کو قائم رکھنا مشکل اور ضروری ہے۔

آزادی حاصل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں مفید، اچھے اور سچے کام کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اب ہم غلامی کے زمانے کی طرح بُرائی کرنے اور بُری باتوں کو برداشت کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نیک و بد کی تمیز ختم کردیں۔ اچھائی بُرائی میں فرق نہ کریں اور بس یہی کہتے رہیں کہ ہم آزاد ہیں، کیوں کہ ہمیں کوئی روک نہیں سکتا اور ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ نہیں، اگر ہم آزادی کا یہ مطلب سمجھتے ہیں تو یہ ہماری نادانی ہے۔ پہلے ہم جتنے پابند تھے، اب اس سے زیادہ پابند ہونے کی

ضرورت ہے۔ فرق یہ ہے کہ پہلے ہم پر دوسری قسم کی پابندیاں تھیں، اب ان پابندیوں کا انداز بدل گیا ہے۔ پہلے ہم پر غیر لوگ پابندیاں لگاتے تھے، اب ہم کو خود پر پابندیاں لگانا چاہییں۔ ان پابندیوں کے فرق کو اس مثال سے سمجھو!

ایک آدمی کسی کا ملازم ہے۔ اس کا مالک اس کو کچھ رقم دیتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ یہ رقم اِن اِن کاموں میں خرچ کرنا اور اتنی رقم سے زیادہ ہرگز خرچ نہ کرنا۔ گویا اس آدمی پر اس کے مالک کی طرف سے پابندی عائد کردی گئی، لیکن اگر یہی رقم اس آدمی کی اپنی ہوتی تو اس پر کسی دوسرے کی طرف سے پابندی نہ ہوتی، وہ جتنی چاہتا رقم خرچ کرتا، لیکن اگر وہ عقل سے کام لے تو کیا وہ اندھا دھند، بلا سوچے سمجھے ساری رقم خرچ کرڈالے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ عقل مند آدمی جو کام بھی کرتا ہے، سوچ سمجھ کر اور نفع نقصان کا اندازہ کر کے کرتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ میرے پاس جو رقم ہے وہ صحیح کاموں پر خرچ ہونا اور اپنی ضرورتوں پر صحیح تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ایک کام پر تو بہت سے پیسے صرف کردیے اور باقی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں بچا۔ ان چیزوں پر غور کر کے وہ خود اپنے اوپر پابندی عائد کرتا ہے اور طے کرتا ہے کہ اس کام پر اتنا خرچ کرنا ہے اور اس کام پر فی الحال کچھ رقم صرف نہ کی جائے اور رقم بچا کر دوسری ضرورتوں اور دوسرے وقت کے لیے رکھی جائے، مگر یہ پابندی اس پر کوئی دوسرا نہیں لگاتا، بلکہ وہ خود اپنے آپ، اپنے فائدہ، اپنی ضرورت اور اپنی خوشی کے لیے اپنی مرضی سے لگاتا ہے۔

اسی طرح غلامی سے آزاد ہونے کے بعد ہمارے لیے بھی اپنے آپ پر پابندیاں عائد کرنا ضروری ہے، تاکہ ہمارا شمار بھی عقل مندوں میں ہو اور ہم ناسمجھ نہ کہلائیں اور ناسمجھی کے نتیجے میں جو تکلیفیں اُٹھانا پڑتی ہیں، ان سے ہمیں دوچار ہونا نہ پڑے۔

یہ پابندیاں، جن کو ہم اپنے آپ پر عائد کریں گے اور جن کو عائد کرنے میں ہمارا فائدہ ہے، اخلاقی پابندیاں ہوں گی۔ یہ پابندیاں ہمارا اخلاق کہلائیں گی۔ ایک ہوتا ہے ذاتی اخلاق اور ایک ہوتا ہے قومی اخلاق۔ ذاتی اخلاق ہی سے قومی اخلاق بنتا ہے اور قومی اخلاق سے ذاتی اخلاق مضبوط ہوتا ہے۔

اخلاق کے راستے پر چلنے میں بعض اوقات دشواری ہوتی ہے اور بظاہر اخلاق کا راستہ فائدے کے راستے سے جدا ہو جاتا ہے۔ اپنے فائدے کو چھوڑنا انسان کو ناگوار گزرتا ہے۔ ایک ایسے کام میں، جس میں اخلاق اور فائدہ کا ٹکراؤ ہوتا ہو، آدمی فائدہ کی طرف جھکنا چاہتا ہے، مگر اچھا آدمی تھوڑے فائدہ کے لیے اخلاق کا خون نہیں کرتا۔ میں اخلاق کے خلاف چل کر اگر اپنا فائدہ کرلوں گا تو دوسرے کا نقصان ہوگا۔ سچ پوچھو تو دوسرے کا نقصان بھی اپنا ہی نقصان ہے۔ یہ وہ پابندی یا وہ اخلاق ہے، جو آزاد ہونے کے بعد ہمیں اختیار کرنا چاہیے۔ آزادی کا یہی مطلب ہے کہ ہم ذاتی فائدے کے بجائے قومی فائدے کو دیکھیں اور لالچ میں اندھے ہو کر دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائیں، کیوں کہ دوسرے بھی جب صرف اپنے ہی فائدے کی سوچیں گے تو ہمیں اس سے تکلیف پہنچے گی۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد ہم اچھے اور سچے کام کرنے کے لیے آزاد ہو گئے ہیں اور بُرے کام کرنے کی پابندی ہمیں خود اپنے پر عائد کر لینا چاہیے۔ جو پابندی ہم خود اپنے آپ پر لگائیں گے، اس میں ہماری خوشی اور خوش حالی کا سامان ہے اور یہی آزادی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔

(یہ مضمون پہلی بار ہمدرد نونہال اگست ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا۔)

☆☆☆

چھپائی کا کام کب شروع ہوا؟

احمد خاں خلیل

ماضی میں یورپ سے پہلے بہت سی ایجادات چین میں ہوئیں۔ مثال کے طور پر لکڑی پر چھپائی کا کام۔ دوسری صدی عیسوی میں چین میں لکڑی کے بلاک بنائے گئے جن پر حروف اور بعض اوقات الفاظ کھود کر بنائے جاتے تھے۔ یہ بہت ہی مشکل کام تھا۔

۱۰۴۱ء میں ایک چینی سائنس داں نے آگے حرکت کرنے والے حروف تیار کیے۔ اس کا نام ''پی شینگ'' تھا۔ وہ مٹی اور گوند کے حرف بنا کر آگ پر پکاتا تھا۔ یہ کام بھی مشکل تھا۔ ۱۲۹۸ء اور ۱۳۱۳ء میں ایک اور چینی باشندے ''وانگ چین'' نے اس طریقے کو اور زیادہ ترقی دی۔ انھوں نے کئی ہنر مند لگا کر ساٹھ ہزار حروف لکڑی کے بلاکوں پر کھود کر بنوائے۔ لکڑی کے حروف مٹی اور گوند سے بنے ہوئے حروف سے زیادہ مضبوط تھے۔ چناں چہ اس سے چھوٹے پیمانے پر چھپائی ہونے لگی، لیکن صرف چین میں۔

۱۴۲۳ء میں ہالینڈ کے ایک ڈچ لورینز کاسٹر نے دھات کے حروف بنائے۔ بعد میں جوہانس گوٹن برگ نے پہلا پرنٹنگ پریس بنایا۔ چناں چہ چھپائی (پرنٹنگ) کے لیے گوٹن برگ کا نام دنیا میں مشہور ہے۔ گوٹن برگ ہی نے صفحے کے حساب سے پرنٹنگ شروع کی اور ۱۴۵۶ء میں انجیل (بائبل) چھاپی گئی۔

اس کے بعد مزید ترقی ہوتی چلی گئی۔ اب تو کمپیوٹر سے عبارت ٹائپ کر دی جاتی ہے۔ اس سے فلم بنائی جاتی ہے۔ پھر فلم سے پلیٹ بنائی جاتی ہے اور پلیٹ سے سادہ کاغذوں پر چھپائی ہوتی ہے۔ رنگ دار چھپائی بھی ہوتی ہے اور یہ کام بڑی تیزی سے ہوتا ہے۔ چند گھنٹوں میں لاکھوں اخبار چھپ جاتے ہیں۔

☆

عید اور عید کارڈ

نسرین شاہین

"عید" ایک ایسا تین حرفی لفظ ہے، جسے ادا کرنے سے ہی خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ عید اُن مسلمانوں کے لیے ایک انعام ہے جو رمضان میں پورے روزے رکھتے ہیں، نمازوں اور قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔ مسلمان یہ سب اپنے خالق و مالک کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بندے کو جنت میں لے جاتی ہے اور جنت ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔

تمام مسلمان ہر سال عید کے دن کو اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں۔ بچوں کی تیاریاں اس خاص دن کے لیے "خاص" ہوتی ہیں۔ نئے نئے کپڑے، جوتے، گھڑی، چوڑیاں اور دوسری کئی چیزیں شامل ہوتی ہیں، مگر اس میں "خاص" کیا ہے؟ یہ سب چیزیں تو عام دنوں میں بھی خرید کر استعمال کی جاسکتی ہیں۔ عید کی تیاری کو "خاص" بنایا جاسکتا ہے اور وہ اس طرح کہ اپنے رشتے داروں، بہن بھائیوں اور دوستوں کے لیے تحفے خریدیں۔ خاص طور پر ایسے رشتے داروں اور دوستوں کے لیے جو مال دار نہیں ہیں اور نئی چیزیں نہیں خرید سکتے۔ محبت اور خلوص کے ساتھ جو تحفہ دیا جائے تو اس کو سب ہی پسند کرتے ہیں۔

بعض اوقات یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تحفہ کیا دیا جائے۔ اپنے دوستوں اور رشتے داروں کی پسند اور ذوق کا علم ہو تو آسانی رہتی ہے۔ کسی کو تحفہ دیتے وقت اس کی ضروریات کا بھی خیال کرلیا جائے تو زیادہ اچھا ہوتا ہے اور جب موقع عید کا ہو تو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اس طرح آپ کو دہری خوشی ہوگی، ایک خوشی تحفہ دینے کی اور دوسری خوشی اپنے دوست کی ضرورت کو پورا کرنے سے حاصل ہوگی۔

بعض دوست اور رشتے دار دوسرے ممالک میں یا دوسرے شہروں میں آباد ہوتے ہیں۔

انھیں ضرور یاد کریں۔ انھیں عید کارڈ، ای میل، ایس ایم ایس یا فون کے ذریعے سے احساس دلایئے کہ دل جب ملے ہوئے ہوں تو فاصلے کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ ہمارے ہاں عید کے موقع پر مبارک باد دینے کے لیے عید کارڈ کی روایت بہت پرانی ہے۔ دورِ جدید کی ترقی اور جدید سہولتوں کی وجہ سے اب عید کارڈ کی جگہ لوگوں میں ای کارڈ (الیکٹرانک کارڈ) بھیجنے کا رواج عام ہوگیا ہے۔ چند برس پہلے تک لوگ اپنے رشتے داروں اور دور دراز رہنے والے دوستوں کو عید سے پہلے عید کارڈ بھیجنے کے لیے خوب صورت کارڈوں کا انتخاب کرتے تھے۔ ان پر بنے ڈیزائنوں اور لکھی ہوئی تحریروں کو غور سے بار بار پڑھا جاتا تھا، کوئی ایسی تحریر تلاش کی جاتی تھی، جس میں دعائیہ الفاظ ہوں، تاکہ بھیجنے والے کے جذبات کی عکاسی ہوسکے۔

عید کارڈ میں دعائیہ الفاظ اور دل چسپ جملے لکھے جاتے ہیں تو لطف آتا ہے، لکھنے والے کو بھی اور جسے بھیجا جارہا ہو، جب وہ اس تحریر کو پڑھتا ہے تو اسے بھی خوشی ہوتی ہے۔

کیوں نہ ہم عید کارڈ بھیجنے کی روایت کو قائم رکھیں۔ اگر کارڈ خریدنا مشکل ہورہا ہے تو ایک کام کریں، عید کارڈ خود بنائیں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس کے لیے کارڈ شیٹ سب سے اہم چیز ہے۔ آپ مختلف قسم کی کارڈ شیٹ سے خوش نما عید کارڈ بنا سکتے ہیں۔ کارڈ کے ایک طرف رنگین پھول یا خوب صورت منظر بھی بنایا جاسکتا ہے۔ اس طرح آپ کو مصوری کی مشق کا موقع بھی مل جائے گا۔ بچے اس معاملے میں کافی پُرجوش ہوتے ہیں۔ وہ عید کارڈ پر دل چسپ جملے، مقبول اشعار اور رنگین پنسلوں سے ڈیزائن بھی بنا سکتے ہیں۔ اگر کوئی دوست اپنے ہاتھ سے بنا ہوا کارڈ آپ کو بھیجے تو اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی ضرور کیجیے۔ یہ محبت کا اظہار بھی ہے اور خلوص بھی۔ بچے اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے کارڈ بھیج کر زیادہ خوشی محسوس کریں گے۔

جسے عید کی خوشیاں اور عید کا دن رشتے داروں اور دوستوں کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ ☆

نونہال مصور
فروا جاوید، عثمانیہ کالونی، کراچی
سیدہ ایمن اسد، کراچی
صفیہ حئی، واپڈا کالونی، ملتان
محمد ابوہریرا علی پور چٹھہ
مریم لاریب، کراچی
فیضان، واہ کینٹ

اوری گامی

اسماعرفان

نونہال شمس العارفین پھول بنارہے ہیں

بچو! آج ہم آپ کو ایک عجیب وغریب فن کے بارے میں بتارہے ہیں، جس سے آپ کسی حد تک واقف بھی ہوں گے۔ اس فن کا نام ''اوری گامی'' ہے۔ ORI کے معنی تہ اور GAMI کے معنی کاغذ کے ہیں۔

اس فن میں کاغذ کو بڑی مہارت سے تہ کر کے مختلف شکلوں میں تبدیل کرتے ہیں۔

اوری گامی کے فن کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں قینچی اور گوند وغیرہ کا استعمال بالکل نہیں ہوتا۔ یعنی نہ تو کاغذ کو کاٹا جاتا ہے، نہ چپکایا جاتا ہے۔ صرف ہاتھوں کی مدد سے موڑ کر مختلف شکلیں اور ڈیزائن بنا سکتے ہیں۔ مثلاً ہر طرح کے پھول، جانور، پرندے، ڈیکوریشن پیس وغیرہ۔

یہ جاپان کا قدیم روایتی فن ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جس میں بچے اور بڑے یکساں دل چسپی لیتے ہیں۔ یہ فن صبر آزما اور وقت طلب بھی ہے، تاہم یہ نونہالوں میں یکسوئی اور مستقل مزاجی پیدا کرتا ہے۔ اس فن کے بارے میں مختلف کتابیں بازار سے مل سکتی ہیں۔

بکریوں کا خوب صورت نمونہ

ایک خوش نما پھول

دیدہ زیب گفٹ بکس

ان تصویروں میں جس بچے کے بنائے ہوئے فن پارے نظر آرہے ہیں، ان کا نام شمس العارفین ہے۔ یہ ساتویں جماعت کے طالب علم ہیں۔ انھوں نے ابتدائی چیزیں کتاب سے سیکھیں، پھر انٹرنیٹ کی مدد سے ایک سال کے عرصے میں اپنے فن کو کمال عروج تک پہنچایا۔

شمس العارفین شروع سے ہی انتہائی ذہین ہیں اور ان کا فطری رجحان آرٹ کی طرف تھا۔ ان کا تعلیمی رکارڈ بھی مونٹیسوری سے اب تک اے ون گریڈ رہا۔ پہلے مصوری کی اور موم سے چیزیں بنانا شروع کیں، پھر اوری گامی کی طرف راغب ہوئے تو اس کی ڈھیروں چیزیں بنا ڈالیں۔ وہ اس فن میں اتنے ماہر ہو چکے ہیں کہ پانچ سے دس منٹ کے اندر اوری گامی کی کوئی بھی چیز تیار کر کے دکھا سکتے ہیں۔ ☆
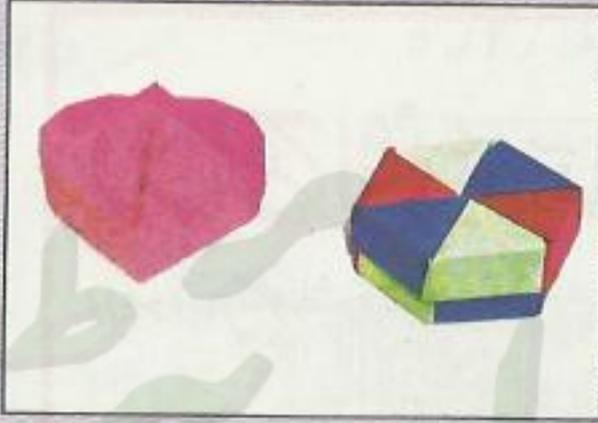
کاغذی ایک رنگین گیند

دو کوہان والا اونٹ

پہلا روزہ

سمعیہ غفار میمن
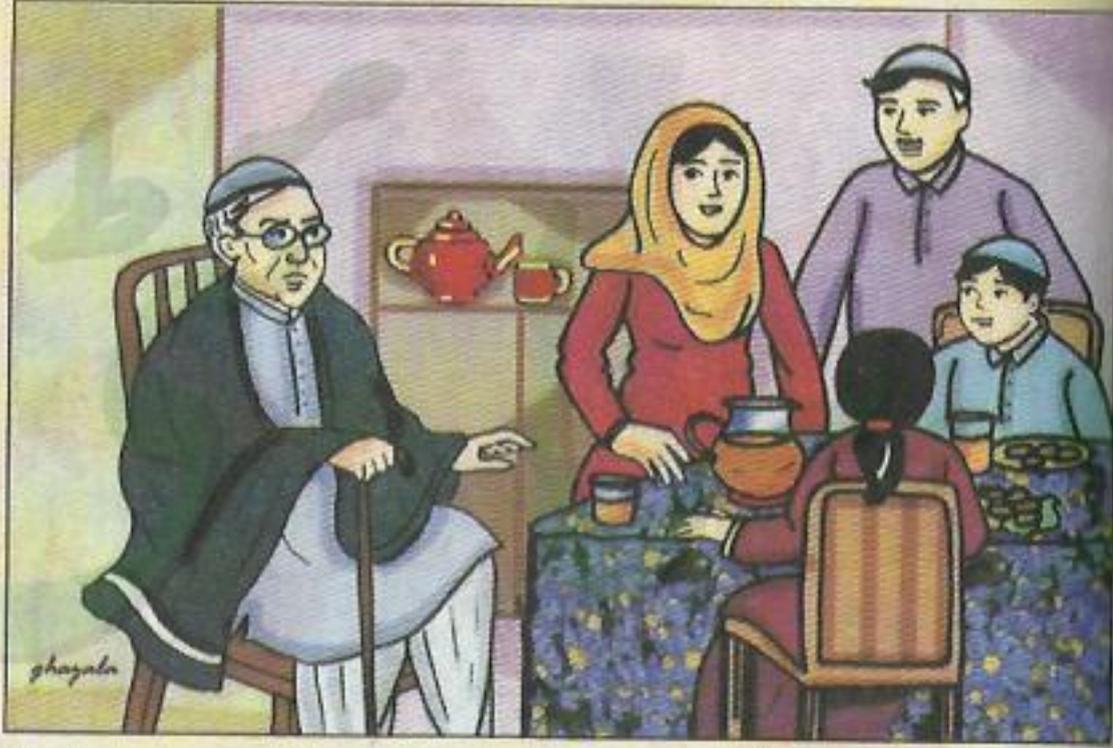
"ارے بابو! آپ کیوں اُٹھ گئے۔ جائیے، جا کر آرام کیجیے اور سو جائیے۔" اقبال صاحب نے بابو کو دیکھ کر کہا۔

"کیوں بھئی، کیوں سو جائیں ہم، ہمیں بھی تو روزہ رکھنا ہے۔" بابو نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن بابو! آپ اپنی عمر تو دیکھیں، آپ روزہ نہیں رکھ پائیں گے۔" بیگم اقبال نے کہا۔

"کیوں بھئی، ہم روزہ کیوں نہیں رکھ پائیں گے؟ کیا ہوا ہے ہماری عمر کو۔ ٹپو، ببلو اور سونی روزہ رکھ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں رکھ سکتے؟" بابو نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"بابو! آپ کی اور ان کی عمر میں بہت فرق ہے۔ ہمارے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ بہت کم زور ہیں، روزے کی مشقت برداشت نہیں کر پائیں گے۔" بیگم اقبال نے کہا۔

’’ہم سب جانتے ہیں۔ دراصل آپ سب لوگ ہم سے بغض رکھتے ہیں۔ آپ لوگ نہیں چاہتے کہ ہم اس عمر میں روزہ رکھیں، کیوں کہ اس عمر میں روزہ رکھنے سے ہمیں آپ سے زیادہ ثواب ملے گا......اور ہاں، ہماری ایک بات کان کھول کر سن لیں! اگر کسی نے ہمیں روزہ رکھنے سے روکنے کی کوشش کی تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا اور ہم بغیر سحری کے ہی روزہ رکھ لیں گے۔ ہماری ضد سے تو آپ بخوبی واقف ہیں۔ ہم جو کہتے ہیں، کر کے دکھاتے ہیں۔‘‘ بابو نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

’’ارے بابو! ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ سحری کر لیجیے۔ اگر آپ روزہ رکھنا چاہتے ہیں تو شوق سے رکھیے، ہم بھلا آپ کو روکنے والے کون ہوتے ہیں!‘‘ اقبال صاحب نے مسکرا کر کہا۔

’’لیکن بابو!‘‘ بیگم اقبال نے کچھ کہنا چاہا تو اقبال صاحب نے بات کاٹ کر کہا:
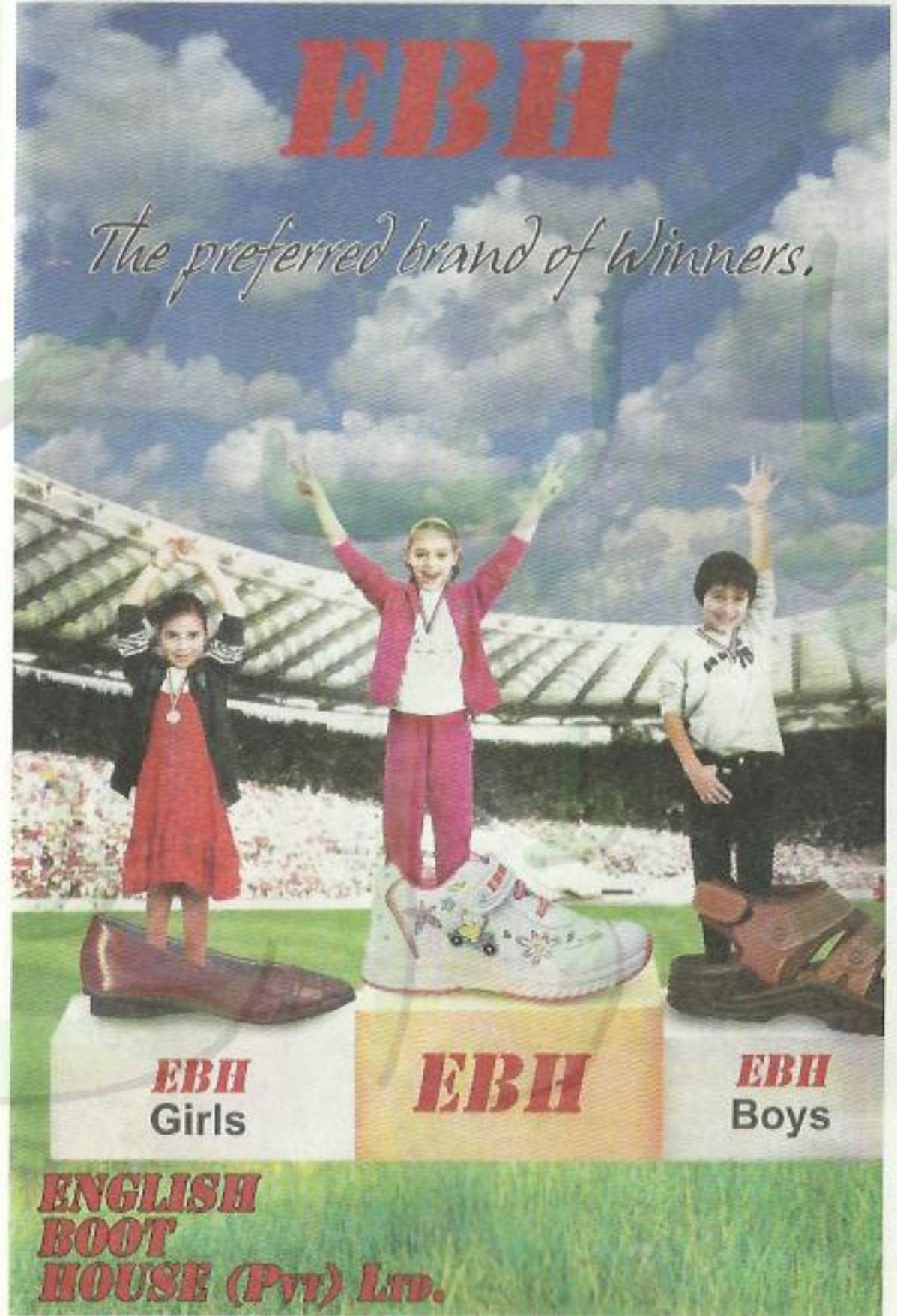
’’اگر بابو روزہ خود رکھنا چاہتے ہیں تو منع مت کرو، انھیں روزہ رکھنے دو۔‘‘

’’بلو، سونیا اور ٹپو! ہم آپ تینوں سے سخت خفا ہیں۔ آپ لوگوں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آج ہمیں سحری میں جگائیں گے، لیکن آپ نے وعدہ خلافی کی ہے۔ ہم آپ سے کبھی بات نہیں کریں گے۔‘‘ بابو نے تینوں سے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

’’پلیز بابو! ہمیں معاف کر دیجیے۔ ہم آیندہ ایسا نہیں کریں گے۔ ہم تو آپ کو جگانا چاہتے تھے، لیکن امی ابو نے ہمیں روک لیا۔‘‘ بلو نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

’’آپ تینوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ ہمارا دل دکھایا ہے۔ ہم آپ کو اپنا سب سے اچھا دوست سمجھتے تھے لیکن......‘‘ بابو کہتے کہتے رک گئے۔

’’بابو! اب بھی ہم آپ کے اچھے دوست ہیں۔ ہم سے غلطی ہو گئی ہے۔ آپ اسے ہماری پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دیں، پلیز بابو! پلیز......‘‘ سونی نے بابو کو منانے کی کوشش کی، لیکن بابو بہت ناراض تھے، اُٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔ سحری کے بعد سب لوگ نماز کی تیاری میں لگ گئے، تب اقبال صاحب نے اپنی بیگم سے کہا: ’’بابو نے ضد میں آکر روزہ تو رکھ لیا ہے، لیکن مجھے پتا ہے کہ وہ برداشت نہیں کر پائیں گے، اس لیے وقت پر انھیں کھانا دے دینا۔ میں آفس جا رہا ہوں۔‘‘ مسز اقبال نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ اقبال صاحب دفتر چلے گئے اور بلو، سونی اور ٹپو اسکول۔ اچانک بیگم اقبال کے کان سے ایک آواز ٹکرائی: ’’ارے بھئی، ہماری چائے کہاں ہے؟‘‘

بیگم اقبال نے کہا: ’’ابھی لائی بابو!‘‘

ذرا سی دیر کے بعد بیگم اقبال نے چائے کی پیالی بابو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ’’یہ لیجیے، آپ کی چائے آگئی۔‘‘

بابو نے حیران ہو کر کہا: ’’چائے! لیکن ہمارا تو روزہ ہے۔‘‘

بیگم اقبال بولیں: ''لیکن ابھی تو آپ نے چاے مانگی تھی۔''

بابو ہڑ بڑا کر بولے: ''ہاں، وہ ہم بھول گئے تھے۔ دراصل آج ہمارا پہلا روزہ ہے
اسی لیے یاد نہیں رہا۔''

بیگم اقبال نے کہا: ''بابو! آپ ایسا کریں کہ ابھی ناشتا کر کے دوسرا اور دوپہر
تیسرا روزہ رکھ لیجیے گا۔ اس طرح آپ کے روزے بھی زیادہ ہو جائیں گے۔''

بابو نے بگڑ کر کہا: ''ہمیں ورغلانے کی کوشش مت کیجیے۔ ہم بچے نہیں ہیں۔ سب سمجھتے
ہیں۔ آج ہمارا پہلا روزہ ضرور ہے، لیکن ہم پورے دن کا روزہ رکھیں گے اور افطار تک کچھ
نہیں کھائیں گے۔''

آج بابو بہت خوش تھے۔ یہ ان کی زندگی کا پہلا روزہ تھا۔ وہ بار بار ''پہلا روزہ
پہلا روزہ'' کی رٹ لگائے سب کو جتا رہے تھے کہ آخر سب کے روکنے کے باوجود انھوں نے اپنا
پہلا روزہ رکھ لیا۔ ادھر بلو، ٹپو اور سونی جو بابو کو کبھی خفا نہیں دیکھ سکتے تھے، بہت پریشان تھے
کہ کس طرح بابو کی ناراضی کو دور کیا جائے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بابو کے پہلے روزے
کی خوشی میں ان کی روزہ کشائی کریں گے۔ انھیں تحفے دیں گے اور انھیں حیران کر دیں
گے۔ تینوں نے اسکول سے واپسی پر اپنے پروگرام پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ طے یہ پایا کہ
دوپہر کے وقت جب سب گھر والے سو جائیں گے تو وہ اپنے پروگرام کے مطابق کام شروع
کر دیں گے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر آ گئے۔ اچانک ان کو کسی کی
آواز سنائی دی۔ ایسا لگا کہ باورچی خانے میں بلی گھس گئی ہے۔ انھوں نے بلی کو رنگے
ہاتھوں پکڑنے کا فیصلہ کیا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئے۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' بلو نے بابو کو دیکھتے ہوئے کہا، جو فریج میں جھانک رہے تھے۔

''ک...... کک کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔'' بابو اُچھل پڑے اور پیچھے مڑ کر گھبرا کر

بولے، جیسے ان کی چوری پکڑی گئی ہو۔

''تو پھر آپ باورچی خانے میں کیا کر رہے ہیں؟ اور وہ بھی فریج کے اندر۔ آپ کا تو
روزہ ہے نا، وہ بھی پہلا۔'' سونی نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں، ہم جانتے ہیں۔ ہم تو بس یہ دیکھنے آئے تھے کہ آج افطار کے لئے کیا بنا
ہے۔ سارے انتظامات ٹھیک ہوئے ہیں یا نہیں۔ آج ہمارا پہلا روزہ ہے تو کوئی خاص اہتمام ہوا
ہے یا پھر وہی عام سی چیزیں بنی ہیں۔ بھئی، آخر ہمارا پہلا روزہ ہے، کچھ تو نیا پن ہونا چاہیے آج
افطار میں۔'' بابو نے بات بناتے ہوئے کہا۔

''افطار میں جو ہوگا، وہ آپ کو افطار کے وقت پتا چل جائے گا، آپ فکر نہ کریں۔ ابھی
آپ اپنے کمرے میں جائیں، ورنہ ہم امی ابو کو بتا دیں گے۔'' ٹپو نے بابو کو دھمکی دی۔

''خدا کے لیے، انھیں کچھ مت بتانا۔ ہم جا رہے ہیں۔'' بابو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''ٹھیک ہے، نہیں بتائیں گے۔'' بلو نے رعب دار لہجے میں کہا۔

''وہ آج ہمارا پہلا روزہ ہے نا، اس لیے ہمارا وقت نہیں گزر رہا، نیند بھی نہیں آ رہی
ہے۔ اگر آپ لوگ ہمیں پہلے روزے کے متعلق کچھ بتائیں گے تو ہمارا وقت اچھی طرح گزر
جائے گا۔'' بابو نے کہا۔

''ابھی ہمارے پاس وقت نہیں ہے، ہمیں بہت کام ہیں۔'' ٹپو نے ٹال مٹول کرتے
ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ تینوں وہاں سے کھسک گئے۔

روزے کی وجہ سے بابو کا بُرا حال تھا۔ انھوں نے کئی بار باورچی خانے میں جانے کی
کوشش کی، لیکن ہر بار پکڑے گئے۔ ان کا سارا وقت گھڑی کی طرف دیکھتے اور وقت گزرنے کی
دعائیں مانگتے گزرا۔ ان کے لیے افطار تک انتظار کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ ان سے بھوک
برداشت نہیں ہو رہی تھی اور وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ ہر وقت کھانا پینا ان کا

محبوب مشغلہ تھا، اسی لیے انھوں نے زندگی میں کبھی روزہ نہیں رکھا۔ اللہ اللہ کر کے افطار میں آدھ گھنٹہ رہ گیا۔ دسترخوان لگایا گیا، طرح طرح کے پکوان سجائے گئے۔ ٹپو، بلو اور سونی کی حرکتیں کچھ پُراسرار معلوم ہو رہی تھیں، کیوں کہ انھوں نے بابو کو اچانک حیران کرنے دینے کا پروگرام بنایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ بلو نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی کچھ لوگ کیمرا اور مائک لے کر اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ''ہم ایک ٹی وی چینل کی طرف سے آئے ہیں۔ ان بچوں نے ہمیں اپنے بابو کی روزہ کشائی پر بلایا ہے۔ آج ان کا پہلا روزہ ہے۔ آج ہم بابو کے ساتھ روزہ افطار کریں گے اور ان سے یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان کا پہلا روزہ کیسا گزرا اور ہاں، یہ پروگرام براہ راست دکھایا جائے گا۔ ارے بھئی، ذرا بابو کو تو بلوائیں، ہم بھی تو دیکھیں کہ آخر یہ بابو ہیں کون اور اس ننھے بابو کی عمر کتنی ہے؟''

''ہم ہیں بابو!'' بابو نے خوشی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''آپ!'' ٹی وی میزبان نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں ہم، کیا ہم بابو نہیں ہو سکتے؟'' بابو نے پوچھا۔

''کیا آپ ہی کا آج پہلا روزہ ہے؟'' ٹی وی میزبان نے پوچھا۔

''جی ہاں، الحمدللہ آج ہمارا پہلا روزہ ہے۔'' بابو نے اکڑ کر کہا۔

''اور آج ہمارے بابو کی روزہ کشائی بھی ہے۔'' ٹپو نے بتایا اور سب بچوں نے تحفے نکال کر بابو کو پیش کر دیے۔

''یہ تو بڑی حیران کن اور دل چسپ بات ہے۔ پلیز، آپ ہمارے ناظرین کو کچھ بتائیں کہ اس عمر میں پہلا روزہ رکھنے کا تجربہ کیسا رہا؟ اور آپ کو روزہ رکھنے کا خیال کیسے آیا؟ آپ کو سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔ کیا آپ ہمارے ناظرین کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے۔'' ٹی وی میزبان نے سوالات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے مائک بابو کی طرف بڑھا دیا۔

ٹی وی میزبان کی بات سن کر بابو پھولے نہیں سمائے اور کہنا شروع کیا: ''ہمارا اصل نام تو عبدالکریم ہے، لیکن بابو کے نام سے مشہور ہیں۔ چھوٹے بڑے سب اسی نام سے پکارتے ہیں۔ ہماری عمر ستر برس ہے۔ ہمیں بھوک بہت لگتی ہے، اسی لیے ہم نے زندگی میں کبھی روزہ نہیں رکھا، جوانی میں بھی نہیں، لیکن اپنے پوتوں اور پوتی کو دیکھ کر ہمیں بھی شوق ہوا کہ جب بچے روزہ رکھ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں، بس ہم نے ہمت کی اور آج روزہ رکھ لیا۔ سب نے ہمیں بہت منع کیا، لیکن ہم اپنی دھن کے بہت پکے ہیں۔ جو کہتے ہیں، کر کے دکھاتے ہیں۔ آج کا دن عام دنوں سے بہت بڑا لگا اور مشکل سے گزرا، بھوک پیاس بھی لگی، کئی بار باورچی خانے کا رخ بھی کیا، لیکن بچوں نے پکڑ لیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم نے روزہ نہیں توڑا اور پورا روزہ رکھا۔ ہمارے بچوں نے ہماری روزہ کشائی کی، افطار کا خاص اہتمام کیا، آپ لوگوں کو یہاں بلایا اور ہمیں تحفے بھی دیے، اس لیے آج ہم بہت خوش ہیں۔ آج ہماری زندگی کا سب سے بڑا اور یادگار دن ہے اور کیوں نہ ہو بھئی، آج ہمارا پہلا روزہ جو ہے۔''

بابو نے اپنی بات مکمل کی اور زوردار قہقہہ لگایا۔ بابو کی اس بات پر سب نے تالیاں بجائیں۔ بچوں نے بابو کو ہار پہنائے اور مبارک باد پیش کی۔ اس کے ساتھ ہی ٹی وی چینل والے تصاویر اور مووی بنانے میں مصروف ہو گئے۔ ذرا سی دیر میں مغرب کی اذان سنائی دی اور سب نے مل کر روزہ افطار کیا۔

روزہ افطار کرتے ہوئے بابو نے اعلان کیا کہ انھیں آج اتنی مسرت ہو رہی ہے کہ وہ سارے روزے بھی رکھیں گے اور جب تک زندہ ہیں، روزے رکھتے رہیں گے۔ سب لوگوں نے تالیاں بجا کر انھیں داد دی۔

☆☆☆

صبح آزادی

ادیب سمیع چمن

سرخ رو بر سرِ منزل ہوئے ہم، آج کے دن

میرے اللہ نے رکھا ہے بھرم، آج کے دن

میرے مولا نے کیا مجھ پہ کرم، آج کے دن

صبح آزادی ہوا میرا جنم، آج کے دن

گھر گھر لہرایا مرا سبز ہلالی پرچم

سر بلند ہوگیا ملت کا علم، آج کے دن

بن گیا پاک وطن ، ہوگئی مقبول دعا

سر ہے باطل کا میرے سامنے خم، آج کے دن

اے میری ارضِ وطن، تیری حقیقت کے لیے

میرے اجداد نے کھائی تھی قسم، آج کے دن

کس طرح بھولیں گے ہم، کل کا وہ خونی منظر

ان گنت سر ہوئے لوگوں کے قلم، آج کے دن

لوحِ دوراں پہ شہیدوں کے لہو سے اپنی

میرے پُرکھوں نے کی تاریخ رقم، آج کے دن

بلاعنوان انعامی کہانی

وقار محسن

اس بار نہ جانے کیوں چاند رات پھیکی پھیکی سی لگ رہی تھی۔ حال آنکہ بچے خوشی سے چہکتے پھر رہے تھے۔ ہر طرف مبارک باد کا شور تھا۔ انتیس کا چاند ہونے کی وجہ سے محلے میں بھی گہما گہمی تھی۔ پٹاخوں کی بھی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید چاند رات کا پھیکا پن ہم لوگوں کو محسوس ہو رہا تھا، کیوں کہ زندگی میں پہلا اتفاق تھا کہ اس عید پر پاپا اور امی ایک جگہ نہیں تھے۔

ہم بہن بھائیوں نے جب سے ہوش سنبھالا، امی اور پاپا کو ایک دوسرے کا خیال رکھتے دیکھا تھا۔ ہمارے امی اور پاپا کو سب مثالی جوڑا قرار دیتے تھے۔ ہم نے پاپا، امی کو کبھی اونچی آواز سے یا ماتھے پر شکن ڈال کر بات کرتے نہیں دیکھا۔ کبھی برسوں میں ایسا ہوتا، جب وہ تھوڑا بہت ایک دوسرے سے ناراض ہوتے تو ہم لوگوں کو پیغام رسانی کے لیے استعمال کرتے۔ امی اتنے زور سے کہتیں، تاکہ پاپا سن لیں: ''فیصل! ابو سے کہو، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے نہ بیٹھیں، گرم پانی دالان میں رکھا ہے۔''

''ثانیہ! اپنی امی سے پوچھو کہ انھوں نے بلڈ پریشر کی دوا کھائی یا نہیں۔'' پاپا ابو کے ذریعے سے امی سے مخاطب ہوتے۔

''فیصل! اپنے پاپا سے کہو، مناظر انکل کا فون آیا تھا۔''

اس دن پاپا صبح ہی سے بات بات پر جھنجلاتے، چشمہ ماتھے پر ٹکائے چشمہ ڈھونڈتے پھرتے۔ موزے کہاں ہیں۔ کمبخت ٹائی کی گرہ نہیں لگ رہی۔ امی ایپرن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے، مسکراہٹ روکتے ہوئے آتیں اور ٹائی کی گرہ درست کر دیتیں۔ جب

پاپا نیچے اُتر جاتے تو امی چپکے سے کھڑکی کا پردہ سرکا کر معمول کے مطابق مخصوص دعائیں پڑھتے ہوئے پاپا کو جاتا ہوا دیکھتیں۔

ہم سمجھ جاتے کہ آج فضا کچھ تناؤ سا ہے، لیکن ہمیں فکر نہیں ہوتی تھی، کیوں کہ ہمیں معلوم تھا کہ شام تک فضا خوش گوار ہو جائے گی اور یہی ہوتا۔ پاپا واپسی میں بیلے کے پھولوں کے کنگن اور جوڑے میں لگانے والی بیلے کی لڑی لاتے۔ امی، پاپا کا پسندیدہ دھنک رنگ والا چنا ہوا لہریا دوپٹا سر پر ڈالے بے چینی سے ٹیرس پر ٹہل رہی ہوتیں اور یوں منٹوں میں برف پگھل جاتی اور امی اور پاپا کے چہروں پر گلاب کھلنے لگتے۔

اگر کبھی امی کسی تقریب میں اکیلی چلی جاتیں تو پاپا کی حالت دیکھ کر ہمیں ہنسی آتی۔ الٹا اخبار پکڑے صفحے بدل رہے ہیں۔ بار بار گھڑی دیکھ رہے ہیں۔ امی کی طرف سے بار بار فون آتا: ''ارے کھانا کھایا تمھارے پاپا نے۔ ارے! پانی رکھنا نہ بھولنا۔'' کچھ دیر بعد پھر گھنٹی بجتی۔

''تانیہ بیٹا! پاپا کی چاے میں ایک چھوٹا سا ادرک کا ٹکڑا ڈال دینا۔ رات کھانس رہے تھے۔ ان سے کہنا، بس میں ابھی آئی۔'' اور اکثر امی تقریب ادھوری چھوڑ کر آجاتیں اور پاپا کو بے چینی سے گھر کے باہر ٹہلتا پاتیں۔

اس بار اتفاق سے رمضان کی بیس تاریخ کو پاپا کے ہیڈ آفس سے فون آیا کہ ان کو دبئ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں کمپنی کی نمایندگی کرنی ہے۔ کانفرنس رمضان کی چھبیس تاریخ کو شروع ہونا تھی اور عید کی چھے تاریخ تک جاری رہنا تھی۔ جب پاپا نے امی کو یہ خبر سنائی تو ان کا چہرہ اتر گیا اور وہ بولیں: ''تو کیا آپ اس بار عید پر ہمارے ساتھ نہیں ہوں گے، ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔ کیا کروں، مجبوری ہے۔ میں تمھارا عید کا تحفہ یعنی تمھارا پسندیدہ پرفیوم کوریئر سے بھجوا دوں گا۔''

''ارے نہیں، میرے پاس بہت شیشیاں جمع ہو گئی ہیں اور پھر آپ کے بغیر ہمیں کچھ اچھا نہیں لگتا۔'' امی نے آہستہ سے کہا۔

پاپا افسردہ دل کے ساتھ چھبیس رمضان کو روانہ ہو گئے۔ اگلے دن سے امی کی نمازیں، وظیفے اور تسبیحیں لمبی ہو گئیں۔ پاپا کے فون برابر آرہے تھے۔ وہ ہم سے امی کا ہر طرح سے خیال رکھنے کی تاکید کرتے۔ ادھر امی ہم سے بار بار چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے فون ملواتیں۔ کبھی کبھی ہم اُکتا بھی جاتے۔

اس طرح آج چاند رات پھیکی پھیکی سی لگ رہی تھی۔ امی خود کو معمول کے مطابق رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں، لیکن ان کی کیفیت چھپ نہیں پا رہی تھیں۔ ان کی اداسی ہم سب پر عیاں تھی۔

رات کو تقریباً گیارہ بجے میرے بھانجے ذکی کا دبئ سے فون آیا۔

''ماموں! ایک خوش خبری ہے۔ نانا کی کانفرنس ختم ہو گئی ہے۔ اب اگلا سیشن پندرہ دن بعد ہوگا۔ بہت مشکل سے ان کی سیٹ بک کرائی ہے۔ ان شاء اللہ وہ صبح سات بجے تک کراچی پہنچ جائیں گے۔ آپ سب کو پیشگی عید مبارک ہو اور ہاں، نانی کو ڈبل مبارک باد۔''

میں نے اپنی دونوں بہنوں کو اشارے سے چھت پر آنے کے لیے کہا۔ جب وہ دونوں اوپر آئیں تو میں نے یہ خوش خبری سنائی اور ہم بہن بھائیوں نے طے کیا کہ امی سے یہ بات راز میں رکھی جائے گی اور صبح اچانک انھیں سرپرائز دیں گے۔

صبح میں نے جب گاڑی نکالنے کے لیے چپکے سے گاڑی کی چابی اٹھائی تو امی نے

ٹوکا: ''ارے بیٹا اس وقت کہاں جا رہے ہو؟''

''امی! تانیہ نے درزی کو کپڑے دیے ہیں۔ اس نے صبح چھے بجے دینے کے لیے کہا تھا، وہی لینے جا رہا ہوں اور ہاں، میں واپسی میں دودھ اور ماوا بھی لیتا آؤں گا۔ د
بنارسی سویوں کا زردہ ضرور بنائیں۔'' میں نے پہلے ہی سے بہانہ سوچ رکھا تھا۔

''ہاں بیٹا! ضرور بناؤں گی۔ تمھارے پاپا ہمیشہ عید پر بنواتے تھے۔ نہ جانے اس بار کیسے، کہاں عید کا دن گزاریں گے۔'' امی نے تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔

ائیر پورٹ پر جب پاپا باہر آئے تو ان کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔ انھوں نے مجھے بھینچ کر پیار کیا۔ جب ہم ائیر پورٹ سے نکلے تو پاپا نے کہا: ''بیٹا! تم لوگوں کے تحفے تو میں نے لے لیے، لیکن جلدی جلدی میں تمھاری امی کا تحفہ نہ لے سکا۔ ذرا سپر اسٹور ہوتے ہوئے چلو، شاید کھلا ہو۔''

اتفاق سے اسٹور کھلا ہوا تھا۔ پاپا نے پرفیوم گفٹ پیپر میں تیار کروایا اور ہم گھر کی طرف چل دیے۔

جب ہم گھر پہنچے تو سب لوگ جاگ چکے تھے۔ امی کے علاوہ سب ہمارے منتظر تھے۔ امی برآمدے میں بیٹھی کسی بچے کی قمیص میں بٹن ٹانک رہی تھیں۔ ان کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اچانک تانیہ کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ اس نے میرا نمبر دیکھ کر مسکراتے ہوئے فون امی کو دیا۔ اسپیکر کھلا ہونے کی وجہ سے پاپا کی آواز بھی آ رہی تھی۔

''لیجیے امی! ابو کا فون آ گیا۔''

''امی نے جھپٹ کر فون لیا اور کان سے لگا لیا۔ پاپا کی آواز آ رہی تھی۔

''ہاں، بھئی، عید مبارک ہو۔ ارے بھئی، آپ تو بہت خوش ہوں گی۔ ماشاء اللہ

آپ کے اردگرد تو بچوں کا چمن مہک رہا ہے، ہر طرف بہار ہی بہار ہے۔''

''آپ کو بھی عید مبارک ہو۔ آپ کے بغیر...... آپ کے بغیر......'' امی کی آواز بھر آگئی۔

''ارے بھئی، غمگین ہو کر بچوں کی عید خراب نہ کریں اور وہ آپ نے بیلے کے کنگن منگائے یا نہیں اور ہاں، وہ اپنا دھنک رنگ دوپٹا عید کے جوڑے کے ساتھ ضرور پہنیں۔''

''نہیں، ہم سے نہیں ہوگا۔'' امی کے گلے میں روئی کے گولے اٹک رہے تھے۔

اب پاپا نے فون بند کر دیا تھا اور امی کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ جب ہم سب نے ''پاپا! عید مبارک'' کا نعرہ لگایا تو امی نے مڑ کر دیکھا اور پاپا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں۔ پاپا نے ان کا تحفہ ان کو دیا اور وہ شکریہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد جب امی باہر آئیں تو انھوں نے سفید غرارے کے سوٹ کے ساتھ کا دھنک رنگ چنا ہوا لہریا دوپٹا بھی اوڑھا ہوا تھا۔ بیلے کے پھولوں اور پرفیوم کی خوش بو سے پورا گھر معطر تھا۔

☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۵۵ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- اگست ۲۰۱۱ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

معلوماتِ پاکستان

مرتبہ: سعید عبدالخالق بھٹ

☆ چودھری رحمت علی نے ۱۹۳۲ء میں لندن میں ''پاکستان نیشنل موومنٹ'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی تھی۔

☆ مغل بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر کا مزار لاہور میں ہے۔

☆ پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحدی لائن کو ''ڈیورنڈ'' لائن کہا جاتا ہے۔

☆ قیامِ پاکستان کے بعد صوبہ سندھ کے پہلے مسلمان گورنر سر غلام حسین ہدایت اللہ تھے۔

☆ پاکستان کا پہلا آئین ۷-اکتوبر ۱۹۵۸ء کو میجر جنرل اسکندر مرزا نے منسوخ کیا تھا۔

☆ پاکستان کی پہلی وفاقی کابینہ نے ۱۵-اگست ۱۹۴۷ء کو حلف اٹھایا تھا۔

☆ مشہور درس گاہ ''سندھ مدرسۃ الاسلام'' کی بنیاد حسن علی آفندی نے رکھی تھی۔

☆ پاکستان کے خلائی تحقیقی ادارے کا نام سپارکو (SUPARCO) ہے۔

☆ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے عہدۂ صدارت سے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو استعفا دیا۔

☆ ۱۷-اگست ۱۹۸۸ء کو پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق ہوائی حادثے میں ہلاک ہوئے۔

☆ ریڈیو پاکستان کے پہلے ڈائرکٹر جنرل ذوالفقار علی بخاری تھے۔

☆ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا قیام یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو عمل میں آیا۔

☆ شاہراہِ ریشم پاکستان کے درۂ خنجراب سے گزرتی ہے۔

☆ تحریکِ آزادی کے ممتاز رہنما مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی والدہ محترمہ کا لقب اُمّ الاحرار ہے۔

☆ شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی سندھ کے شہر خیر پور میں واقع ہے۔

☆ اباسین، اٹک، انڈس اور مہران دریائے سندھ کے نام ہیں۔

☆ حکومتِ پاکستان نے مشہور مصور عادل صلاح الدین کو ۱۹۸۷ء میں تمغۂ حسنِ کارکردگی سے نوازا۔

☆ مشہور صوفی بزرگ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا مزار پنجاب کے شہر پاک پتن میں ہے۔

☆ شہید پاکستان حکیم محمد سعید نے اُردو میں چوالیس سے زائد سفرنامے تحریر کیے ہیں۔

☆ حکومتِ پاکستان نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی شبیہ والا دس رُپے مالیت کا یادگاری سکہ ۱۰ دسمبر ۲۰۰۸ء کو جاری کیا۔

☆ سر ظفر اللہ خاں ۷-اکتوبر ۱۹۵۴ء کو عالمی عدالت کے جج منتخب ہوئے تھے۔

☆ سیاسی جماعت ''پاکستان تحریکِ انصاف'' پاکستان کرکٹ کے نام ور کپتان عمران خان نے قائم کی۔

☆ ''نشتر میڈیکل کالج'' پاکستان کے شہر ملتان میں ہے۔

☆ ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو تھے۔

☆ ''خوش بو''، ''خود کلامی''، ''صد برگ''، ''کفِ آئینہ'' نامور شاعرہ پروین شاکر کے شعری مجموعوں کے نام ہیں۔

☆ شہید حکیم محمد سعید کے والد محترم جناب حکیم عبدالمجید کا انتقال ۱۹۲۲ء میں ہوا تھا۔

☆ دیوانِ غالب کا مصور ایڈیشن، مشہور مصور عبدالرحمٰن چغتائی کے نام سے مشہور ہوا۔

☆ ملکۂ موسیقی روشن آرا بیگم لالہ موسیٰ میں دفن ہیں۔

☆

چودہ اگست

حمیرا سید

چودہ اگست کا دن یہ ہمارا
جان سے اچھا ، رُوح سے پیارا
پاکر جس کو شاد ہوئے ہم
آج کے دن آزاد ہوئے ہم

سارے اس کے گانے گائیں
گیت یہ لوگ پُرانے گائیں
چین سے یوں آباد ہوئے ہم
آج کے دن آزاد ہوئے ہم

رہے ہمیشہ تابندہ یہ
رہے ہمیشہ رخشندہ یہ
ہردم ، ہرپل شاد ہوئے ہم
آج کے دن آزاد ہوئے ہم

پاک وطن کا نام کریں گے
اُونچی اس کی شان کریں گے
جس کی نئی رُوداد ہوئے ہم
آج کے دن آزاد ہوئے ہم

آزادی - اللہ کا انعام

یاسمین حفیظ

فیصل کو سلیم کا گھر بہت پسند تھا۔ تین کمروں پر مشتمل گھر اور اس کے چھوٹے سے صحن میں امرود کے [illegible] کا سایہ اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ سلیم ایک متوسط گھرانے کا نوجوان تھا۔ اس کے دادا، دادی، امی، [illegible]، بہن، بھائی، چچا اور پھوپی سب مل کر اسی چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔

فیصل امیر گھرانے کا چشم و چراغ تھا، مگر اس میں غرور ذرا بھی نہیں تھا۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا [illegible] تھا اور اس کے والدین خاندان کے دیگر افراد سے الگ رہتے تھے، اس لیے ان کے گھر میں خاموشی [illegible] چھائی رہتی تھی۔ اس کے برعکس سلیم کے گھر پر بہت رونق ہوتی تھی اور فیصل کو اسی لیے سلیم کے گھر جانا [illegible] تھا۔ آج بھی فیصل جب سلیم کے گھر گیا تو سبھی گھر والے آنگن میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف [illegible]۔ سلیم کی باجی سائرہ نے سموسے اور پکوڑے تیار کیے تھے اور سب شام کی چائے کے ساتھ سموسوں اور [illegible] سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دادی اماں اپنی مرغیوں اور چوزوں کو دانہ پانی دے رہی [illegible] اور دادا جان بجلی سے جلنے والے رنگین قمقموں کے اُلجھے ہوئے تاروں کو سلجھا رہے تھے۔ فیصل اپنی [illegible] لے کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا: ''دادا جان! کیا ہو رہا ہے؟''

''ارے بیٹا! ان اُلجھے ہوئے تاروں کو سلجھا رہا ہوں۔ خوشیوں بھرے دنوں میں یہ کام آتے ہیں اور ابھی کچھ ہی دنوں میں چودہ اگست کا جشن شروع ہونے کو ہے۔''

سائرہ آپی چائے کا کپ دادا جان کے قریب رکھتے ہوئے بولیں: ''دادا جان! اس بار بھی آزادی کا جشن ہم شایانِ شان طریقے سے منائیں گے۔''

سب دادا جان کی طرف متوجہ تھے۔ جو بڑے جذبے سے کہہ رہے تھے: ''آزادی ہمیں پلیٹ [illegible] رکھ کر نہیں دی گئی۔ لاکھوں جانوں کی قربانیاں دے کر ہم نے آزادی حاصل کی، اس لیے آزادی کی خوشیاں شایانِ شان طریقے سے منانی چاہییں۔''

چچا جان جو اپنی کرسی قریب لے آئے تھے، بولے: ''چودہ اگست کا دن ہمارے بزرگوں کی [illegible] جدوجہد کے ثمر کا دن ہے۔ قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں ہمیں پاک سرزمین کا تحفہ ملا۔ یہ وطن اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے، جو ۲۷ رمضان المبارک کو ہمیں عطا ہوا۔''

سلیم نے کہا: ''ہر شخص کا جشن منانے اور خوش ہونے کا الگ طریقہ ہوتا ہے۔ کوئی رات گ
کر اور پھر دیر سے اُٹھ کر اس دن کا آغاز کرتا ہے۔ منچلے موٹر سائیکلوں پر کرتب دکھاتے ہیں، کچھ لو
فائرنگ کرتے ہیں، پٹاخے چھوڑتے ہیں۔''

''نہیں بیٹا! خوشیاں منانے کے بھی چند اصول ہوتے ہیں۔'' امی جان سبزیوں کی ٹوکری ل
آئیں اور قریب بیٹھتے ہوئے بولیں: ''جشن منانے کے لیے فائرنگ کرنا، پٹاخے چھوڑنا اور اونچی آ
میں موسیقی سننا، جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے، اچھی بات تو نہیں ہے نا؟''

''جی امی جان! خوشیاں منانے کے یہ طریقہ بہت ہی ناپسندیدہ ہے۔'' سائرہ آپی بولیں۔

''خوشیاں تو وہ ہوتی ہیں جو سب مل کر منائیں، سب کے چہروں پر جوش اور جذبوں کی دھنک
ہو، معاشرے کے سدھار کے لیے پروگرام ترتیب دیے جائیں۔''

''بالکل ٹھیک سائرہ آپی!'' فیصل نے کہا: ''ہمیں خوشیوں اور جشن مناتے ہوئے ان بزرگوں
یاد رکھنا چاہیے جنھوں نے وطن عزیز کے لیے قربانیاں دیں، مگر معاشرہ ان کو بھول چکا ہے، ان کی خدما
کو سراہا جانا چاہیے۔''

دادا جان نے کہا: ''ہاں، یہی سچی خوشیاں ہیں۔ یہی انمول محبت ہے اور یہی قومی خدمت بھی ہے۔''

سلیم نے کہا: ''دادا جان! آپ کی باتوں نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں، ورنہ ہم تو جشن
کھیل کود اور رشتے داروں کے گھروں میں دعوت کھانے تک محدود کر چکے ہیں اور چودہ اگست کو منانے
یہی تصور ہمارے ذہنوں میں تھا۔''

دادا جان اُلجھے ہوئے تاروں کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولے: ''تم نونہالانِ وطن ہو، تمھیں
اس ملک کی باگ ڈور سنبھالنا ہے۔ تمھاری صحیح بنیادوں پر تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ طالب علموں او
نوجوانوں کی کامیابی تعلیم میں ہے۔''

فیصل اور سلیم نے پختہ عہد کیا کہ وہ دل و جان سے تعلیم حاصل کریں گے اور ملک کو ترقی کی راہ پر
گامزن کریں گے۔

آسمان پر چاند اور ستارے نکل آئے تھے۔ ایسا ہی چاند اور تارا سبز ہلالی پرچم کی زینت بن کر
لہرانے والا تھا۔ ☆

تصویر خانہ

سالار ضیا، کھاریاں کینٹ

یسریٰ مظہر، کراچی

محمد عمر، حاصل پور

عبدالرحمٰن صغیر، میر پور خاص

انس نسیم خان، نارتھ کراچی

محمد عبداللہ، کراچی

علی حسن، اورنگی ٹاؤن

محمد احتشام کاظم، شیخوپورہ

مسکراتی لکیریں

''مرغیوں کی ٹانگیں چھوٹی کیوں ہوتی ہیں؟''

''اگر مرغیوں کی ٹانگیں لمبی ہوتیں تو انڈے گر کر ٹوٹ جاتے۔''

لطیفہ : محمد طلحہ مغل، ڈگری

لڑکے کا بھوت

جاوید بسام

بہت دن ہوئے، فرانس کے ایک قصبے میں ایک میاں بیوی پرانے سے لکڑی کے مکان میں رہتے تھے۔ وہ مکان انھوں نے چند مہینے پہلے ہی خریدا تھا۔ دونوں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ مرد کا نام ولیم اور عورت کا نام ہلڈا تھا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ولیم کو ناول پڑھنے اور باغبانی کا شوق تھا اور ہلڈا گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی تھی۔ وہ سرسبز علاقہ تھا، قریب ہی ایک دریا بھی بہتا تھا۔ مکانات بڑے اور دور دور بنے ہوئے تھے اور ہر گھر کے آگے ایک باغیچہ بھی تھا۔ ایک دن ہلڈا اپنے شوہر سے بولی:

"میری پکائی ہوئی روٹیوں میں سے روزانہ تین روٹیاں کم ہو جاتی ہیں۔"

"تم حساب میں ہمیشہ سے کم زور ہو۔" ولیم چونک کر بولا۔

''نہیں میں بالکل ٹھیک گنتی ہوں، ایسا کئی دن سے ہو رہا ہے۔''

''اچھا...... ہاں یاد آیا، میرے باغیچے سے بھی کبھی تین ٹماٹر اور کبھی تین کھیرے غائب ہوتے ہیں۔''

''کنجوس آدمی! تم اپنی سبزی گن گن کر رکھتے ہو۔''

''نہیں، وہ ابھی اتنی کم ہیں کہ یاد رہتی ہیں۔'' ولیم شرمندگی سے بولا۔

ابھی ان کی باتیں جاری تھیں کہ اچانک کمرے کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

''یہ کیا ہوا؟'' ہلڈا نے پوچھا۔

''شاید ہوا سے بند ہو گیا ہے۔'' ولیم نے کہا۔

پھر کئی روز تک یہی ہوتا رہا۔ کبھی کھڑکیاں اور کبھی دروازے بند ہو جاتے اور کبھی خود بخود کھل جاتے۔ جب وہ کمرے میں جا کر دیکھتے تو کوئی بھی نہیں ہوتا تھا۔

اتوار کے دن ولیم سیب خرید کر لایا۔ کچھ دیر بعد ہلڈا نے بتایا کہ تین سیب کم ہیں۔

ولیم نے کہا: ''ایسا لگتا ہے، کوئی چور ہمارے قریب ہی موجود ہے۔''

ہلڈا نے جواب دیا: ''لیکن دروازہ تو بند رہتا ہے، کوئی اندر کیسے آئے گا۔''

انھوں نے پورے گھر کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ نیچے تین کمرے جب کہ اوپر دو کمرے تھے۔ اگلے دن ہلکی بارش سے ماحول سہانا ہو گیا تھا۔ وہ برآمدے میں بیٹھے تھے کہ اچانک انھوں نے گیارہ بارہ سال کے ایک لڑکے کو ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں جاتے دیکھا۔ لڑکے نے ان کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' ہلڈا نے سرگوشی کی۔

''میرا خیال ہے، یہ لڑکا ہمارے گھر کو اپنا گھر سمجھ کر اندر چلا آیا ہے۔''

''لیکن...... وہ اب تک کمرے سے باہر نہیں آیا؟''

''اچھا دیکھتے ہیں۔'' ولیم آہستہ آہستہ اُٹھا۔

دونوں کمرے میں پہنچے تو وہاں کوئی نہیں تھا، جب کہ کھڑکی بھی اندر سے اچھی طرح بند تھی۔ دونوں حیران رہ گئے۔

دوسرے دن پھر انھوں نے اس لڑکے کو صحن سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ اس کا حلیہ بہت خراب تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی ورکشاپ سے نکل کر آیا ہے۔ اس نے اُچٹتی سی نظر ان پر ڈالی اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ جب وہ گھوما تو دونوں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کی کمر میں ایک کلہاڑی گھسی ہے، جس کے اطراف خون کا خشک دھبا ہے۔

''اے رکو! کون ہو تم؟'' ولیم چلایا۔

ہلڈا کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ منھ ہی منھ میں دعائیں پڑھ رہی تھی۔

دونوں کمرے میں گئے۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ ولیم پریشانی سے سر کھجا رہا

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

شام کو وہ پھر نظر آیا۔ اب وہ زینے سے اُتر کر کمرے میں گیا تھا۔ ولیم زور سے
بولا: ''اس لڑکے نے تو ہمارے گھر کو راستہ بنالیا ہے۔''

اچانک وہ پھر نمودار ہوا اور بولا: ''یہ میرا گھر ہے۔ میں یہیں رہتا ہوں۔''

دونوں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

وہ پھر بولا: ''ہاں، میں سو سال سے یہاں رہ رہا ہوں۔''

لڑکا دروازے کی چوکھٹ سے کندھا ٹکائے کھڑا تھا۔ سورج مغرب کی طرف جھک
گیا تھا۔ برآمدے سے آتی روشنی میں اس کا لمبا سایہ دور تک پھیل گیا تھا۔

''کیا مطلب؟'' ولیم ناک کھجا کر بولا۔

''سو سال پہلے میں اپنے ماں باپ کے ساتھ یہاں رہتا تھا۔ ایک دفعہ لٹیروں نے
گاؤں پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے خوب لوٹ مار کی۔ مکانوں کو آگ لگا دی اور مویشیوں کو مار
ڈالا۔ گاؤں والوں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن بہت سے لوگ اپنی جان سے ہاتھ
دھو بیٹھے۔'' اس نے گھوم کر اپنی پیٹھ دکھائی، جہاں کلہاڑی گھسی تھی۔

''اوہ...... یعنی تم اس لڑکے کے بھوت ہو؟''

''ہاں، یہ میرا گھر ہے۔ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔''

''تمھارا نام کیا ہے؟'' ولیم نے پوچھا۔

''وکٹر۔'' لڑکے نے نام بتایا۔

ولیم بولا: ''سنو، وکٹر! ہم نے یہ گھر خرید لیا ہے اور ہمیں بڑی مشکل سے اپنی پسند کی
جگہ ملی ہے۔ تم اپنے لیے اور کوئی جگہ تلاش کر لو، بھلا بھوتوں کے لیے جگہوں کی کیا کمی ہے۔''

وکٹر بھنا اُٹھا اور پیر پٹختا ہوا بولا: ''نہیں...... تمھیں جانا ہوگا، ورنہ تمھیں نقصان اُٹھانا

پڑے گا۔'' یہ کہہ کر وکٹر اندر چلا گیا۔

دونوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ولیم نے کہا: ''ہمیں اتنی بھاگ دوڑ کے بعد یہ گھر ملا ہے اور یہ پھر ہمیں مشکل میں ڈالنا چاہتا ہے۔''

''ہمیں کسی جھاڑ پھونک والے سے ملنا چاہیے۔'' ہلڈا نے کہا۔

ولیم نے اس کی بات پر منھ بنا لیا۔

''ولیم! مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔'' ہلڈا سوچتے ہوئے بولی۔

''تمھیں ہر چہرہ پہلے سے دیکھا ہوا لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چہرے پر دو کان، دو آنکھیں اور ایک ناک ہوتی ہے۔'' ولیم نے ہنس کر کہا۔

اگلی دوپہر کو وہ کھانا کھا رہے تھے کہ لڑکا پھر چلا آیا۔ ولیم نے اسے کھانے کی دعوت دی، لیکن اس نے انکار کر دیا۔

''یہ تم ہی ہو جو ہمارے چیزیں چُرا کر کھا جاتے ہو؟'' ہلڈا نے پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''لیکن تم ہمیشہ تین چیزیں کیوں چُراتے ہو؟'' ولیم نے پوچھا۔

وہ بولا: ''تین میرا لکی نمبر تھا۔ میں اپنے والدین کی تیسری اولاد تھا۔ تین تاریخ اور تیسرے مہینے میں پیدا ہوا تھا اور میرے پاس جوتوں کے تین جوڑے تھے۔''

''بہت خوب! تم تو بہت دل چسپ آدمی ہو۔'' ولیم مسکرا کر بولا۔

''میں آدمی نہیں لڑکا ہوں۔ بس آپ یہ گھر خالی کریں اور فوراً یہاں سے چلے جائیں۔'' وہ غصے سے بولا۔

شام کو جب ولیم بازار سے واپس آیا تو اس کے پاس بہت سی آئس کریمیں تھیں۔

''یہ تم اتنی آئس کریمیں کیوں لے آئے؟'' ہلڈا نے پوچھا۔

''میرے اور تمھارے لیے تو ایک ایک ہی ہے، باقی تین تو وکٹر کے لیے ہیں۔'' ولیم نے کہا۔

ہلڈا نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور بولی: ''لو، اب اس بھوت کے لیے اہتمام ہو رہا ہے۔ ولیم! ہمیں اس معاملے کو یونہی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کوئی نقصان ہو جائے۔''

ولیم کندھے اُچکا کر رہ گیا۔

دوسرے دن ولیم اس کمرے میں کچھ کام کر رہا تھا، جس میں جا کر لڑکا غائب ہو جاتا تھا۔ ایک کونے میں اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا۔ قالین کے نیچے کوئی چیز اُبھری ہوئی تھی۔ اس نے قالین ہٹایا تو لکڑی کے تقریباً ایک مربع فٹ ٹکڑے کو اُبھرا ہوا پایا۔ اس نے تختہ ہٹایا تو سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں۔ دراصل وہ علاقہ دریا کے قریب تھا، بارشوں کے موسم میں دریا میں طغیانی آ جاتی تھی۔ پانی گھروں تک چلا آتا تھا، اس لیے وہاں تمام گھر زمین سے چار پانچ فیٹ بلند کر کے بنائے جاتے تھے۔ نیچے کا حصہ یونہی فالتو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ولیم نیچے اُتر گیا۔ وہاں ہلکا سا اُجالا تھا۔ تہ خانے کی جالیوں سے کچھ روشنی اندر آ رہی تھی۔ فالتو کاٹھ کباڑ کے درمیان وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک طرف صاف ستھرا بستر بچھا ہے اور ذاتی استعمال کی کچھ چیزیں رکھی ہیں، لیکن سب سے حیرت انگیز چیز جو اسے وہاں نظر آئی، ایک ایسا کوٹ تھا جس کی پشت پر ایک کلہاڑی مہارت کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ ولیم کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ہلڈا کو آواز دے کر بلا لیا۔ وہ آئی تو ولیم نے کہا: ''لو، تمھارے بھوت کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔'' جلد ہی انھوں نے باہر نکلنے کا خفیہ دروازہ بھی تلاش کر لیا، جو مکان کے پچھلے حصے کی طرف تھا۔ انھوں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اور خاموشی سے اوپر آ کر تختہ دوبارہ اسی طرح رکھ دیا۔

اس دوران جب ولیم نے بھوت کے ٹھکانے کا سراغ لگایا، قصبے کے ایک ہوٹل میں وہ لڑکا اور ایک آدمی بیٹھے چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ آدمی کہہ رہا تھا: ''تمھیں کام دیے دو

ہفتے گزر گئے، تم تو کہتے تھے کہ تھیٹر میں کام کرتے ہو، جلد انھیں ڈرا کر وہاں سے بھگا دو گے؟"

لڑکا سوچتے ہوئے بولا: "شاید وہ لوگ بھوتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ کچھ الگ قسم کے لوگ ہیں۔"

"اچھا تو پھر کچھ اور بندوبست کرنا پڑے گا۔" آدمی بڑبڑایا۔

"ہاں، میرا تمھارا معاہدہ ختم ہوگیا۔" وکٹر اُٹھ کر چل دیا۔

شام کو دونوں میاں بیوی برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ہلڈا نے بسکٹ بنائے تھے۔ ان کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ اچانک وہ لڑکا کمرے سے نکل کر ان کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ اس کے کندھے پر ایک تھیلا لٹکا تھا۔ آج وہ کچھ بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا اور پلٹ کر کہا: "میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ وہ کہانی سب جھوٹی تھی۔ دراصل کچھ لوگ آپ سے یہ گھر خالی کرانا چاہتے ہیں۔"

ولیم نے بتایا: "ہاں، مجھے ساری بات معلوم ہوگئی ہے۔ علاقے کا تھانے دار میرا دوست ہے۔ اتفاق سے اس نے تمھیں اس آدمی کے ساتھ باتیں کرتے سن لیا تھا۔ تھانے دار نے اس آدمی کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ اب وہ دوبارہ یہاں نظر نہیں آئے گا۔"

وکٹر جانے کے لیے مڑا اور کہا: "اچھی بات ہے۔ مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میں نے آپ کو تکلیف پہنچائی۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" ہلڈا نے پوچھا۔

"معلوم نہیں، شاید کسی دوسرے قصبے میں۔"

ہلڈا نے کچھ یاد کرتے ہوئے وکٹر سے پوچھا: "تم غالباً کسی تھیٹر میں کام کرتے تھے۔ چھوڑ کیوں دیا؟"

"تھیٹر کا مالک کہتا تھا کہ پہلے تعلیم حاصل کرو، پھر اداکاری کرنا۔"

"تو تم تعلیم حاصل کیوں نہیں کرتے؟"

وکٹر دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا: "میرا اس دنیا میں کوئی نہیں، جو میرے اخراجات برداشت کر سکے۔"

ولیم بولا: "ٹھیرو! تم چاہو تو یہاں رک جاؤ۔ ہم تمھیں تعلیم دلائیں گے۔ بعد میں تم اپنا اداکاری کا شوق بھی پورا کر لینا۔"

وکٹر ٹھٹک کر رک گیا اور حیرت سے بولا: "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں بیٹا! ہماری کوئی اولاد نہیں ہے۔ ہم سمجھیں گے کہ ہمیں بیٹا مل گیا۔" ہلڈا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

ولیم نے پیالی میں چائے نکالی: "آؤ، چائے پی لو۔"

وہ جھجکتا ہوا قریب چلا آیا۔ ہلڈا نے بسکٹوں کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ وہ بیٹھ گیا۔ پھر ولیم بولا: "ویسے تمھارا منصوبہ بُرا نہیں تھا۔ شروع میں تو ہم اس کہانی کو سچ ہی سمجھے تھے، کیوں کہ اس علاقے میں آئے دن لوگوں کو بھوت نظر آتے رہتے ہیں اور ہاں یاد آیا، کیا وہ تین تین چیزیں کھانا تمھاری عادت ہے؟"

"نہیں، وہ سب ڈراما تھا۔" وکٹر شرمندگی سے بولا۔

دونوں نے بے ساختہ قہقہہ لگا دیا۔ ☆

ای۔میل کے ذریعے سے

ای۔میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

انعامی سلسلہ ۲۰۰

معلوماتِ افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول سولہ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک سو روپے نقد حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- اگست ۲۰۱۲ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضرت شیثؑ، حضرت آدمؑ کے .... بیٹے تھے۔ (پہلے ۔ دوسرے ۔ تیسرے)

۲۔ انصار، ناصر کی جمع ہے، جس کا مطلب ہے .... ۔ (مدد کرنے والے ۔ کام کرنے والے ۔ محنت کرنے والے)

۳۔ ممتاز مسلمان فلسفی .... ایک ماہرِ فن موسیقار بھی تھے۔ (زکریا رازی ۔ جابر بن حیان ۔ ابونصر فارابی)

۴۔ ''تختِ طاؤس'' مغل بادشاہ .... نے بنوایا تھا۔ (بابر ۔ اکبر ۔ شاہ جہاں)

۵۔ قائداعظم کی نمازِ جنازہ مولانا .... نے پڑھائی تھی۔ (ابوالاعلیٰ مودودی ۔ احتشام الحق تھانوی ۔ شبیر احمد عثمانی)

۶۔ مولانا محمد علی جوہر کا انتقال ۱۹۳۱ء میں .... میں ہوا تھا۔ (کراچی ۔ دہلی ۔ لندن)

۷۔ قدیم شہر ''ہڑپہ'' پاکستان کے موجودہ شہر .... میں واقع تھا۔ (ساہیوال ۔ ملک وال ۔ چکوال)

۸۔ عبدالرحمٰن چغتائی پاکستان کے مشہور .... تھے۔ (موسیقار ۔ سرجن ۔ مصور)

۹۔ سلطنتِ غزنی کی بنیاد .... نے رکھی تھی۔ (الپتگین ۔ سبکتگین ۔ محمود غزنوی)

۱۰۔ وہ جانور جو پانی اور خشکی دونوں جگہ رہ سکتے ہوں، انھیں .... کہتے ہیں۔ (ریپٹائل ۔ ممالیہ ۔ جل تھلیے)

۱۱۔ مشہور خاتون ماہرِ تعلیم ماریہ مونٹیسوری کا تعلق .... سے تھا۔ (جرمنی ۔ اٹلی ۔ فرانس)

۱۲۔ ممتاز شاعر جوش ملیح آبادی کا انتقال ۲۲ فروری .... کو ہوا تھا۔ (۱۹۸۰ء ۔ ۱۹۸۲ء ۔ ۱۹۸۴ء)

۱۳۔ اسلامی ملک سینی گال کی کرنسی .... کہلاتی ہے۔ (دینار ۔ پیسو ۔ فرانک)

۱۴۔ ناول ''خدا کی بستی'' کے مصنف شوکت صدیقی کا ایک اور مشہور ناول .... ہے۔ (کشکول ۔ چاند گرہن ۔ جانگلوس)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: ''خربوزے کو دیکھ کر .... رنگ پکڑتا ہے۔'' (آلوچہ ۔ شریفہ ۔ خربوزہ)

۱۶۔ جوہر فرخ آبادی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

اب عطر بھی ملو تو تکلف کی بو کہاں   وہ دن .... ہوئے کہ پسینا گلاب تھا (ہوا ۔ ختم ۔ کیا)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۰۰ (اگست ۲۰۱۲ء)

نام : ____________________

پتا : ____________________

____

____

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ اگست ۲۰۱۲ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (اگست ۲۰۱۲ء)

عنوان : ____________________

نام : ____________________

پتا : ____________________

____

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ اگست ۲۰۱۲ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کرکے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

قرآن مجید

تحریر : خواجہ شمس الدین عظیمی

مرسلہ : ارسلان اللہ خان، حیدر آباد

قرآن مجید کو اس عزم، اس ولولے اور محبت کے ساتھ پڑھیے کہ اس کی نورانی کرنوں سے ہمیں اپنی زندگی سنوارنی ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی مبارک کتاب ہے، جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ قرآن مجید سے ہم کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

آج کا کام

مرسلہ : مریم رحمٰن، لیاقت آباد

آج کا کام کل پر چھوڑ دینے والے شخص کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص اگر کسی مضبوط درخت کو نہ اُکھاڑ سکے تو اسے اگلے دن اُکھاڑنے کا ارادہ کرلے۔ حال آنکہ درخت روز بہ روز مضبوط ہوگا اور آدمی کم زور ہوتا جائے گا، اس لیے آج کا کام کل پر چھوڑنے کے بجائے آج، بلکہ ابھی کام ختم کرنے کا عزم کرلیں۔

انقلاب زندہ باد

مرسلہ : حسن رضا سردار، کامونکی

مولانا حسرت موہانی تحریکِ پاکستان کے عظیم رہنماؤں میں سے تھے۔ انھیں اس جدوجہد میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ جب انگریز سپاہیوں نے مولانا حسرت موہانی کو جلسہ گاہ سے گرفتار کیا تو اس وقت عجیب منظر تھا۔ آپ جلسہ گاہ میں زمین پر منھ کے بل گرے ہوئے تھے۔ پولیس کے کچھ سپاہی انھیں مار رہے تھے اور کچھ انھیں اُٹھا رہے تھے۔ مولانا سے کچھ بن نہ پڑا تو زمین پر اُگی ہوئی گھاس کو دونوں ہاتھوں سے

مضبوطی سے پکڑلیا۔ پھر کچھ ہی دیر میں وہ پولیس کی بس میں یوں لادے گئے جیسے بار برداری کا سامان لادا جاتا ہے۔ اس وقت مولانا کی زبان پر فقط یہ نعرہ تھا: ''انقلاب زندہ باد۔''

حکمِ اذاں

مرسلہ : یاسر طاہر، لیاقت آباد

پاکستان بننے سے پہلے کشمیر میں ایک ایمان افروز واقعہ اس وقت پیش آیا، جب ڈوگرہ راج میں مسلمانوں کے خلاف مظالم اپنے عروج پر تھے۔ ان مظالم کے خلاف ایک جلسے میں عبدالقدیر خان نامی نوجوان کو مہاراجا کے خلاف بولنے پر گرفتار کیا گیا اور اس کے مقدمے کی سماعت سینٹرل جیل سری نگر میں ہونی قرار پائی، جسے سننے کے لیے ہزاروں لوگ جمع ہوئے۔ نماز کا وقت آیا تو ایک نوجوان اذان دینے کے لیے کھڑا ہوا۔ ابھی اس نے اذان دینی شروع ہی کی تھی کہ ڈوگرہ سپاہیوں نے اسے گولی ماردی۔ اس کی جگہ لینے کو ایک اور نوجوان آگے آیا، لیکن اسے بھی شہید کردیا گیا اور پھر اذان مکمل ہونے تک ایک ایک کر کے بائیس نوجوان شہید کر دیے گئے، مگر جرأت مند مسلمانوں کے شوقِ شہادت میں فرق نہ آیا، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ چاہے کچھ ہوجائے، انھیں ہے حکمِ اذاں لاالٰہ الااللہ۔

یہ واقعہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کا ہے، لیکن ان کی ایمان افروزی میں آج بھی کوئی کمی نہیں آئی اور ہر سال ۱۳ جولائی کو ان اسلام اور آزادی کے ان پروانوں کی یاد عزت واحترام سے منائی جاتی ہے۔

انمول موتی

مرسلہ : محمد اعظم مغل، ڈگری

☆ مذاق ضرور کرو، مگر اتنا یاد رکھو کہ مذاق کرنے اور مذاق اُڑانے میں فرق ہوتا ہے۔

☆ روٹھنے والے کو اتنا نہیں روٹھنا چاہیے کہ منانے والا خود ہی روٹھ جائے۔

☆ لوگوں کو اتنی جلدی معاف کردیا کرو، جتنی جلدی تم اللہ سے معافی کی اُمید رکھتے ہو۔

☆ کسی کی خاموشی کو تکبر نہ سمجھو، ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے جنگ کرنے میں مصروف ہو۔

☆ خوب صورتی کی کمی کو اخلاق پورا کرسکتا ہے، مگر اخلاق کی کمی کو خوب صورتی پورا نہیں کرسکتی۔

خلافت اور امانت

مرسلہ : شہریار گوندل،

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المال سے اپنے خرچ کے لیے روزانہ دو درہم لیتے تھے، جس سے وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دفعہ رات کے وقت چراغ کی روشنی میں کچھ سرکاری کاغذات دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں آپؓ کے پاس ایک مہمان آیا اور آپؓ کے ذاتی کاموں کے متعلق گفتگو کرنے لگا۔

حضرت عمرؓ نے پہلے چراغ کو گل کردیا اور کہا کہ اس میں جو تیل جل رہا ہے، وہ بیت المال کا ہے اور اس کی روشنی میں صرف خلافت کے کاموں کے لیے استعمال کرسکتا ہوں۔ میرے ذاتی کاموں کے لیے اس کا جلنا جائز نہیں۔ جب مہمان گفتگو کرنے کے بعد اُٹھ کر چلا گیا تو آپؓ نے پھر چراغ جلایا اور امورِ سلطنت میں مشغول ہوگئے۔

چاندنی رات

شاعر : اختر شیرانی

پسند : یسریٰ عتیق، کراچی

چاندنی رات کا سماں دیکھو
وہ چمک اُٹھا آسماں، دیکھو
گھاٹیوں سے نکل رہا ہے چاند
جنگلوں پر مچل رہا ہے چاند
روشنی ہوگئی فضاؤں میں
نور بہنے لگا ہواؤں میں
چاند نے چاندی بچھا دی ہے
دودھ کی نہر سی بہا دی ہے
پتا پتا ہے نور کی دنیا
ذرہ ذرہ ہے نور کی دنیا
جنگلوں میں بچھا ہے نور ہی نور
گاؤں پر چھا رہا ہے نور ہی نور

کشتیاں جلا ڈالو

مرسلہ : نثار خان امازئی، کراچی

مشہور مسلمان جرنیل طارق بن زیاد نے جب ہسپانیہ پر حملہ کیا تو ساحلِ سمندر پر

پر اترتے ہی حکم دے دیا کہ جن کشتیوں پر ہم بیٹھ کر آئے ہیں، وہ سب کی سب جلا ڈالو۔

طارق بن زیاد کے ساتھی بولے کہ اگر کشتیاں جلا دیں تو ہسپانیہ سے افریقہ تک کیسے جائیں گے؟''

طارق بن زیادہ نے بہت ایمان افروز جواب دیا: ''ہم مسلمان ہیں اور ساری دنیا ہمارا وطن ہے۔ ہم صرف افریقہ کو نہیں پورے یورپ کو اسلامی تہذیب و تمدن میں رنگ دیں گے۔''

طارق بن زیاد کے جواب سے خوش ہو کر تمام اسلامی لشکر نے کشتیوں کو آگ لگا دی اور قوتِ ایمانی سے کفر کے ظلمت کدے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ہسپانیہ پر آٹھ سو سال تک حکومت کی۔

لڑکے کا شعر

مرسلہ: احمد سلمان، گلگرٹی

ایک دن مشہور شاعر مرزا سودا ایک مشاعرے میں بیٹھے تھے۔ لوگ اپنی اپنی غزلیں پڑھ رہے تھے۔ بارہ، تیرہ برس کے ایک لڑکے نے غزل پڑھی۔ جس کا پہلا شعر یہ تھا:

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس شعر پر سودا چونک پڑے۔ انھوں نے بہت تعریف کی۔ کئی مرتبہ پڑھوایا اور کہا: ''میاں لڑکے! جوان ہوتے نظر نہیں آتے۔''

خدا کی قدرت، انھی دنوں یہ لڑکا جل کر مر گیا۔

(مولانا محمد حسین کی کتاب آبِ حیات سے لیا گیا)

کوشش

مرسلہ: کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

سورج نے غروب ہونے سے چند لمحے پہلے آسمان پر نگاہ ڈالی اور کہا: ''ہے کوئی جو میری جگہ لے سکے؟''

کائنات پر سناٹا چھا گیا۔ ایسے میں مٹی کے ایک ننھے دیے نے سر اُٹھایا اور کہا: ''میں کوشش کروں گا۔'' ☆

آہ!

پروفیسر آفاق صدیقی

سلیم فرخی

نونہالوں کے لیے اچھی اچھی نظمیں اور کہانیاں لکھنے والے پروفیسر آفاق صدیقی ۱۷- جون ۲۰۱۲ء کو ہم سے بچھڑ گئے۔ وہ ۴- مئی ۱۹۲۸ء کو شیخو پورہ، ضلع فرخ آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کر کے سکھر آ گئے اور درس و تدریس کو اپنا مشغلہ اور ذریعۂ خدمت بنا لیا۔ میر پور خاص کے ایک کالج میں صدر شعبۂ اردو بھی رہے۔ ۱۹۸۲ء میں وہ مستقل کراچی آ گئے۔

وہ ماہرِ تعلیم اور ادبی دنیا کی ایک ممتاز شخصیت تھے۔ نصف صدی سے زائد عرصے تک علم کی روشنی پھیلاتے رہے۔ اردو کے علاوہ سندھی زبان و ادب میں بھی ان کی خدمات بے مثال ہیں۔ وہ اردو اور سندھی زبان کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے تھے۔

آفاق صدیقی صاحب اردو سندھی ادبی فاؤنڈیشن کے بانی صدر تھے، جس کے تحت کئی اچھی کتابیں شائع ہوئیں۔ انھوں نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کے مجموعۂ کلام ''شاہ جو رسالو'' کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ سندھ کے ایک اور مشہور صوفی شاعر سچل سرمست کی شخصیت اور شاعری پر بھی ایک کتاب لکھی۔ سندھی نظموں اور افسانوں کے ترجمے اردو میں کیے۔ ریڈیو کی عالمی سروس سے ان کے تحریر کیے ہوئے تاریخی فیچرز بہت مقبول ہوئے۔ یہ فیچر بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق پر آفاق صاحب کی ایک کتاب ''بابائے اردو وادیٔ مہران

میں'' شائع ہوئی۔ کراچی ٹی وی سے ان کا موسیقی کا ایک پروگرام ''سُر لطیف'' بہت مقبول ہوا
اس پروگرام کے گیت بہت سے نامور گلوکاروں نے گائے تھے۔ ان گلوکاروں میں استاد امانت
علی خاں، مجیب عالم، عالمگیر، محمد علی شہکی، مہناز، تحسین جاوید، گل بہار بانو، ارشد محمود، آصف مہدی
حسن وغیرہ شامل ہیں۔ آفاق صاحب کے یہ گیت بھی بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوئے۔

ادبی کتابوں کے علاوہ تعلیمی اور درسی کتابوں کی ترتیب و اشاعت میں بھی مصروف رہتے
تھے۔ ہمدرد صحت میں تبصرے کے لیے آنے والی کتابوں پر جامع انداز سے تبصرہ کرتے
تھے۔ آفاق صاحب نے بہت سے سندھی افسانے بھی اردو میں ترجمہ کیے، جو ہمدرد صحت میں بھی
شائع ہوتے رہے۔

ان کی خودنوشت ''صبح کرنا شام کا'' بھی شائع اور مقبول ہو چکی ہے۔ ☆

ہمدرد نونہال کے ساٹھ سال

نونہالوں کا پیارا اور بزرگوں کا پسندیدہ رسالہ ''ہمدرد نونہال'' اللہ کے فضل سے
ساٹھ سال کا ہو رہا ہے۔ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید نے نونہالوں کے لیے یہ رسالہ ۱۹۵۳ء
میں جاری کیا تھا۔ حکیم صاحب کو قوم کے مستقبل کی بڑی فکر تھی۔ قوم کا مستقبل بچوں سے
وابستہ ہے۔ بچوں کو اچھی تعلیم ملے گی تو وہ بھی اچھے بنیں گے اور پاکستان کو اچھا بنائیں
گے۔ اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ پڑھنے کے لیے اچھی کتابیں اور رسالے بھی
ضروری ہیں۔ ہمدرد نونہال اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جاری کیا گیا ہے۔

حکیم صاحب نے نونہالوں کے مقبول ادیب مسعود احمد برکاتی کو ہمدرد نونہال کا ایڈیٹر بنایا۔
وہ خود بھی اس کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے پوری دل چسپی لیتے تھے اور ہمدرد نونہال
کے لیے خود بھی لکھتے تھے۔ ۱۹۹۸ء میں ظالموں نے ان کو شہید کر کے پاکستان اور قوم کو ان کی
فلاحی خدمات سے محروم کر دیا، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہمدرد نونہال جاری رہا، جاری ہے اور
ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ حکیم صاحب کے بعد ان کی صاحبزادی محترمہ سعدیہ راشد بھی
ہمدرد نونہال کی اشاعت اور ترقی کے کاموں میں شریک رہیں۔ جناب مسعود احمد برکاتی
بھی اس کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ مصروف
ہیں۔ ان کی کوشش سے ساٹھ سال سے میں ہمدرد نونہال ایسی پابندی اور باقاعدگی سے
شائع ہوتا ہے کہ نہ کبھی ناغہ ہوا اور نہ کبھی تاخیر سے نونہالوں تک پہنچا۔

ساٹھ سال میں پانچ نسلوں نے ہمدرد نونہال پڑھا اور فائدہ اُٹھایا۔ اس کے
پڑھنے والوں میں سے سیکڑوں لوگ بڑے ہو کر اپنے اپنے کاموں میں ماہر اور مشہور ہو گئے
ہیں۔ ان میں استاد بھی ہیں اور ایڈیٹر اور صحافی بھی۔ سائنس داں بھی ہیں، صنعت کار اور

تاجر بھی۔ عالم بھی ہیں اور ادیب و شاعر بھی۔

ہمدرد نونہال کی اشاعت کے ساٹھ سال کی خوشی میں کراچی، لاہور، پشاور اور اسلام آباد میں شان دار تقریبات منعقد کی گئیں۔ ہمدرد نونہال اسمبلی کے خصوصی اجلاس منعقد کیے گئے۔ ان میں ملک کے ممتاز و مقبول دانش وروں اور اہلِ علم نے ہمدرد نونہال کی اہم خدمات پر روشنی ڈالی اور محترمہ سعدیہ راشد اور مسعود احمد برکاتی کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ان اجلاسوں میں رسالہ پڑھنے والے نونہالوں نے پُر اثر تقریریں کیں۔ ہم یہاں ان تقریبات کا مختصر حال لکھتے ہیں۔

ہمدرد نونہال اسمبلی، کراچی .... رپورٹ: راؤ توفیق احمد

''ہمدرد نونہال کے ساٹھ سال'' کے موضوع پر ۲۵ جون ۲۰۱۲ء کو ہمدرد نونہال اسمبلی کا خصوصی اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مہمانِ خصوصی ممتاز ادیبہ، ڈراما نویس اور دانش ور فاطمہ ثریا بجیا نے کہا ہے کہ علم سمندروں سے زیادہ وسیع ہے اور کتاب پڑھنا علم کے حصول کا آغاز ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسالہ ہمدرد نونہال بچوں کو نونہال کرنے کا خزانہ ہے جو ان کے مزاجوں میں خوشبو پھیلاتا ہے۔ ۶۰ سال تک اس رسالے کی ادارت کرنے پر مسعود احمد برکاتی صاحب بلاشبہ تحسین و مبارک باد کے مستحق ہیں۔ محترمہ فاطمہ ثریا بجیا نے بچوں کی تقاریر کی تعریف کی اور کہا کہ بولنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کی مہارت بھی پیدا کریں۔ انھوں نے اپنی مثال دیتے ہوئے کہا کہ میں نے اتنا لکھا ہے کہ میرے انگوٹھے کے نشان تک مٹ گئے ہیں۔ میں نے کسی اسکول میں نہیں پڑھا، ساری تعلیم گھر پر ہوئی ہے۔ میں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانیں جانتی ہوں نیز مجھے ہر طرح کا کھانا پکانا بھی آتا ہے۔ انھوں نے لڑکیوں کو مشورہ دیا کہ وہ امور خانہ داری کی ماہر بنیں، کیوں کہ یہ ہر لڑکی کے لیے بہت ضروری ہے۔

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید | محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ | محترم مسعود احمد برکاتی

ہمدرد فاؤنڈیشن کی صدر محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ شہید حکیم محمد سعید کو بچوں کے مستقبل یا بہ الفاظ دیگر پاکستان کے مستقبل کی بڑی فکر تھی۔ اسی فکر کے تحت انھوں نے بچوں کی تربیت اور ان میں لکھنے پڑھنے اور سوچنے کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لیے رسالہ ہمدرد نونہال جاری کیا۔ اپنے ایک مضمون میں حکیم صاحب فرماتے ہیں: ''آج میرے عظیم نونہال جو ہمدرد نونہال پڑھ رہے ہیں، وہ کل ضرور بڑے انسان بنیں گے۔'' حکیم صاحب کی یہ توقعات بڑی حد تک پوری ہوئی ہیں اور ہمدرد نونہال پڑھنے والے سیکڑوں نونہال آج بڑے ہو کر اہم قومی ذمے داریاں ادا کر رہے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ میں جواں ہمت بزرگ مسعود احمد برکاتی کو اس دعا کے ساتھ خراجِ تحسین پیش کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ خدمتِ علم و ادب کے لیے ہمارے معاشرے میں ایسی بہت سی شخصیات پیدا فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے کہا کہ شہید حکیم محمد سعید نے رسالہ ہمدرد نونہال بچوں کو تہذیب اور اردو زبان سکھانے کے لیے جاری کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس رسالے میں صحت زبان کا جتنا خیال رکھا جاتا ہے، اتنا کسی دوسرے رسالے میں نہیں ملتا۔ ڈاکٹر

رؤف پاریکھ نے کہا کہ میں نے اردو زبان شہید حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریروں اور رسالہ ہمدرد نونہال سے سیکھی ہے۔ اس رسالے کو میں نے پڑھا، میرے بیٹے نے پڑھا اور اب میرا پوتا پڑھے گا۔

قونصلیٹ جنرل جاپان کے میڈیا ایڈوائزر جناب خرم سہیل نے کہا کہ میں بچپن سے رسالہ ہمدرد نونہال پڑھ رہا ہوں اور میں نے اردو الفاظ کو سمجھنا، لکھنا اور ان کا صحیح استعمال کرنا اسی رسالے سے سیکھا ہے۔ اس میں چھپنے والی کہانیوں کے کرداروں سے میں نے سخت محنت کرنے کا سبق بھی حاصل کیا۔

کہنہ مشق صحافی نصرت نصر اللہ نے کہا کہ ہمارے معاشرے میں پڑھنے کی عادت اور رغبت کم ہو رہی ہے، اس لیے بچوں میں شروع سے پڑھنے کی عادت ضرور ڈالی جائے۔

تقریب سے نونہال رمشا کنول، نونہال انگبین مشتاق، کیڈٹ محمد مظہر خان، نونہال اقرا انور اور نونہال انس خان نے بھی خطاب کیا اور رسالہ ہمدرد نونہال کے اجرا اور اسے ساٹھ سال تک کام یابی سے چلانے پر شہید حکیم محمد سعید، محترمہ سعدیہ راشد اور مسعود احمد برکاتی کو خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ ساٹھ سال کا ہونے کے باوجود ہمدرد نونہال آج بھی تر و تازہ ہے اور نہ صرف بچوں، بلکہ بڑوں میں بھی یکساں مقبول ہے۔

تقریب کے آخر میں ''ہمدرد نونہال'' کے مدیرِ اعلا مسعود احمد برکاتی نے بھی خطاب کیا۔ انھوں نے بتایا کہ ہمدرد نونہال سے پہلے میں نے بچوں کے لیے کبھی نہیں لکھا تھا، بلکہ بڑوں کے لیے لکھتا تھا۔ شہید حکیم محمد سعید نے ہمدرد نونہال کی ذمے داری میرے سپرد کی تو میں نے بچوں کے لیے لکھنا شروع کیا اور خوب لکھا۔ میں نے اردو کے اہم اور ممتاز ادیبوں اور شاعروں سے بھی لکھوایا۔ برکاتی صاحب نے محترمہ فاطمہ ثریا بجیا، ڈاکٹر رؤف پاریکھ اور محترمہ سعدیہ راشد اور تمام نونہالوں کا شکریہ ادا کیا۔

ہمدرد نونہال اسمبلی کراچی میں انعام یافتہ نونہالوں کے ساتھ دائیں سے ڈاکٹر رؤف پاریکھ، آصف الیاس، جناب خرم سہیل، محترمہ فاطمہ ثریا بجیا، محترمہ سعدیہ راشد اور حکیم محمد عثمان

آصف الیاس اور دیگر نونہالوں نے منظوم خراجِ تحسین اور ہمدرد پبلک اسکول کے بچوں نے دعاے سعید پیش کی۔ نظامت کے فرائض نونہال خوشبو نے بڑی خوبی سے ادا کیے۔ تقریب میں رسالہ ''ہمدرد نونہال'' کے مدیرِ اعلا مسعود احمد برکاتی، معزز شہریوں، ماہرینِ تعلیم، والدین اور بچوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی، لاہور .... رپورٹ : سید علی بخاری

لاہور میں بھی ہمدرد نونہال اسمبلی کی خصوصی نشست کا اہتمام ۱۴- جون ۲۰۱۲ء کو کیا گیا۔ محترم عطاالحق قاسمی مہمانِ خصوصی تھے۔ محترم مسعود احمد برکاتی اس اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی سے آئے تھے۔ محترم ابصار عبدالعلی، محترم شعیب مرزا، محترم اُسامہ غازی اور محترمہ نجمہ یاسمین مہمانِ اعزازی تھے۔ نونہال انیسہ فاطمہ قادری اور نونہال نویرا بابر نے اظہارِ خیال کیا۔ محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ حکیم صاحب کو نونہالوں کے مستقبل یا یوں کہیے قوم کے مستقبل کی بڑی فکر تھی۔ ہمدرد نونہال کا اجرا بھی اسی فکر اور دل چسپی کا ایک

اظہار ہے۔ حکیم صاحب کی اس دل چسپی کے اثرات ظاہر ہے کہ مجھ پر بھی لازمی تھے۔ پھر حکیم صاحب نے میرا نام مجلسِ ادارت میں شامل کر کے میرے تعلق کو گہرا کر دیا۔ ہمدرد نونہال کی مقبولیت سے مجھے دلی خوشی ہوتی ہے۔

مہمانِ خصوصی محترم عطاء الحق قاسمی نے کہا کہ میں بچوں کا یہ خوب صورت جریدہ دیکھتا ہوں تو مجھے اس میں حکیم محمد سعید، سعدیہ راشد اور مسعود احمد برکاتی کا عکس نظر آتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ گزشتہ روز میں نے سرسری سی نظر ڈالنے کی نیت سے اسے ہاتھ میں لیا تو غلطی یہ ہوئی کہ اس دیگ کا ایک دانہ چکھ بیٹھا۔ اس کے بعد پوری دیگ کھانا پڑ گئی۔ انھوں نے کہا کہ بچوں کا اتنا جامع اور اتنا مزے دار رسالہ میں نے نہیں دیکھا۔

ایڈیٹر ماہ نامہ پھول محترم شعیب مرزا نے کہا کہ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کے حُسنِ انتخاب اور دور اندیشی کی داد دیجیے کہ انھوں نے جہاں بڑے بڑے کام کیے، وہیں پاکستان کے مستقبل اور بچوں کو نہیں بھولے۔ ہمدرد نونہال اسمبلی اور ماہ نامہ ہمدرد نونہال کا اجرا کیا۔ مجھے خود بھی ہمدرد نونہال کے قاری اور لکھاری ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس رسالے سے پانچ نسلیں فائدہ اُٹھا چکی ہیں۔ اس موقع پر انھوں نے پاکستان چلڈرن میگزین سوسائٹی اور اکادمی ادبیات اطفال کی طرف سے بچوں کے ادب پر ''حکیم محمد سعید ایوارڈ'' کے اجرا کا اعلان کیا۔ یہ ایوارڈ ہر سال دیا جائے گا۔ اس سلسلے کا پہلا ایوارڈ بچوں کے ادب کی غیر معمولی خدمات انجام دینے پر محترم مسعود احمد برکاتی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ علمی، ادبی، طبی و سماجی خدمات پر محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ کی خدمت میں نشانِ سپاس پیش کیا گیا۔

محترم ابصار عبدالعلی نے کہا کہ ہمدرد نونہال کی ساٹھویں سال گرہ کے اس پُرمسرت موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں یہی آواز اُٹھاؤں گا: ''بچے سب سے پہلے۔''

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں (بائیں سے) جناب عطاء الحق قاسمی، محترمہ سعدیہ راشد، محترمہ نجمہ یاسمین یوسف، جناب مسعود احمد برکاتی، جناب ابصار عبدالعلی، جناب شعیب مرزا، جناب اُسامہ غازی، (دوسری قطار میں) جناب سید علی بخاری، رداعلی، شرمین قمر، ایبہ فاطمہ قادری، نوریا بابر اور دو نونہال جنھوں نے تلاوتِ کلام پاک، اور نعت خوانی کی۔

اس لیے کہ بچے پاکستان میں پاکستان کا آنے والا کل ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمدرد نونہال کے ''جاگو جگاؤ'' میں کچھ ایسا جادو ہے کہ اسے پڑھ کر نونہال ہی نہیں ان کے والدین اور اساتذہ کی بھی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ہمدرد نونہال اب ساٹھ سال کا ہو رہا ہے اور پانچ نسلوں کو فیض یاب کر چکا ہے، یہ پانچ نسلوں کی بات نہیں یہ پانچ صدیوں کا عزم ہے۔ اس عزم کو عمل میں بدلنے کے لیے محترمہ سعدیہ راشد کی سرپرستی بڑی معتبر ہے۔ سعدیہ راشد صاحبہ میں شہید حکیم محمد سعید صاحب مکمل طور پر موجود ہیں۔ ان کی نیت میں بھی وہی برکت ہے جو حکیم صاحب کے لگائے ہوئے پودوں کو شاداب رکھتی ہے۔ ماہ نامہ ہمدرد نونہال بچوں کا دواخانہ ہے جو بچوں کے علمی، ادبی اور اخلاقی امراض کا شافی علاج ہے۔

معروف اینکر جناب اُسامہ غازی نے کہا کہ انسان جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو وہ اپنے اعمال میں تین چیزیں چھوڑ جاتا ہے۔ صدقہ جاریہ، علمی کاوش اور نیک اولاد۔ شہید حکیم محمد سعید وہ خوش نصیب ہستی ہیں جنھوں نے یہ تینوں کام کیے اور مجھے خوشی ہے کہ اُن کی

بیٹی حکیم صاحب کا مشن لے کر آگے چل رہی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اسی طرح رسالہ ہمدرد نونہال جاری وساری رہے۔

نونہال نویرا بابر نے کہا کہ شفیق الرحمٰن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ بچوں میں یہی بُری بات ہے کہ بڑے ہو جاتے ہیں، لیکن نونہال ساٹھ برس کے بعد بھی نونہال ہی ہے۔ اس میں آج بھی وہی معصومیت ہے، جو نونہال کی آنکھوں سے جھلکتی ہے۔

نونہال مقررہ انیسہ فاطمہ قادری نے کہا کہ خدا کرے ہمارا ہمدرد نونہال ہمیشہ ترو تازہ رہے۔ یہ جاگو جگاؤ سے ہمیں خواب غفلت سے جگاتا رہے۔ پہلی بات سے ستاروں پہ کمند ڈالنے کا رستہ بتاتا اور روشن خیالات سے دلوں کو گرماتا رہے۔

تقریب میں تعلیم وادب کی دنیا سے بڑی اہم شخصیات نے بھی شرکت کی۔ سابقہ اسپیکر اسمبلی ردا علی نظامت کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ پروفیسر ڈاکٹر مغیث الدین شیخ کا خیال تھا مجھے ساری عمر افسوس رہے گا کہ میرے بچے ہمدرد نونہال اسمبلی کا حصہ نہ بن سکے۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن پنجاب کے آپریشن آفیسر ڈاکٹر بابر عالم نے اپنے تاثرات میں ہمدرد نونہال اسمبلی کو ایک زبردست پلیٹ فارم قرار دیا۔

محترمہ نجمہ یاسمین صاحبہ نے اپنے منظوم خطاب میں ہمدرد نونہال کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

آخر میں مدیر اعلا محترم مسعود احمد برکاتی نے کلمات تشکر ادا کیے اور فرمایا کہ میں محترم عطاالحق قاسمی، جناب شعیب مرزا، جناب ابصار عبدالعلی، جناب اُسامہ غازی، محترمہ نجمہ یاسمین اور تمام بزرگوں اور نونہالوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ شہید حکیم محمد سعید کے اس نونہال کو ہمیشہ خدمت گزار رکھے۔

ہمدرد نونہال اسمبلی، پشاور .... رپورٹ : صوفی بشیر احمد

ہمدرد نونہال اسمبلی، پشاور میں مہمانِ خصوصی جناب خواجہ وسیم (چیئرمین فرنٹیر
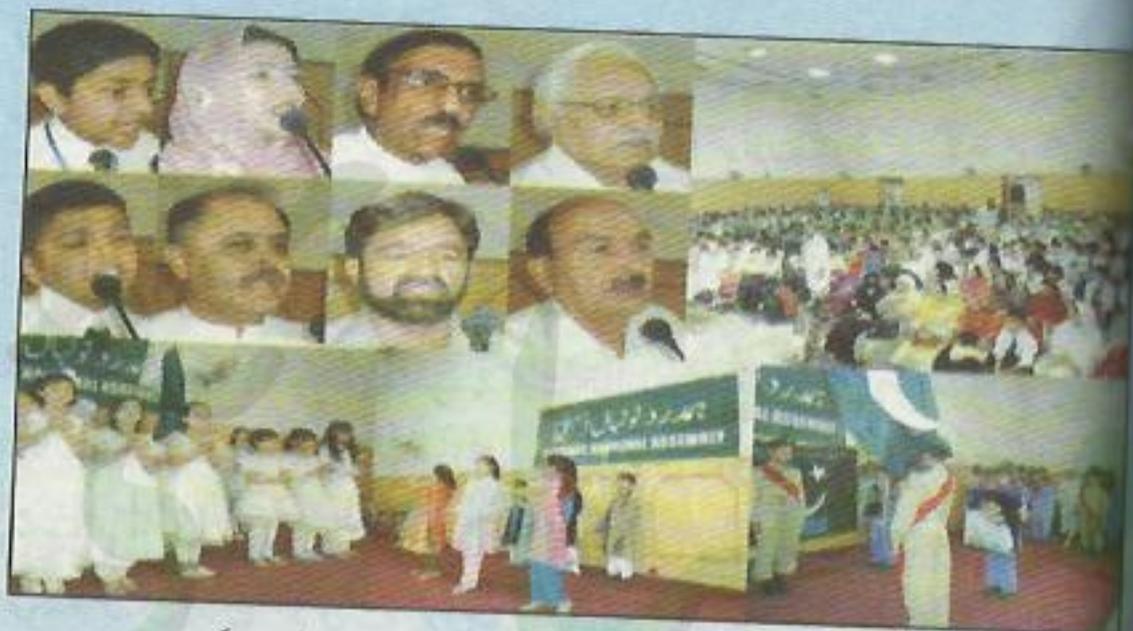
ہمدرد نونہال اسمبلی پشاور میں محترمہ رابعہ انیس، محترم افتخار ظریف، محترم خواجہ وسیم، محترم ڈاکٹر صلاح الدین، محترم سلیم آفاقی، محترم حاجی سید مشتاق حسین بخاری اور نونہال مقررین (دائیں طرف) اسمبلی میں بزرگ اور نونہال (نیچے) نونہال ٹیبلو اور دعائے سعید پیش کرتے ہوئے

ماڈل اسکولز اینڈ کالج پشاور) تھے۔ میزبان حاجی سید مشتاق حسین شاہ بخاری تھے۔ نظامت کے فرائض نونہال ایمان رفیع نے انجام دیے۔ نونہال محمد سعید نے تلاوت کلام پاک پیش کی اور نونہال مبشر مصطفےٰ نے نعت شریف پڑھی۔ مختلف تعلیمی اداروں کے نونہالوں نے "ہمدرد نونہال کے ساٹھ سال" کے موضوع پر تقاریر کیں۔

مہمانِ خصوصی جناب خواجہ وسیم نے کہا کہ شہیدِ پاکستان اور ہمدرد نونہال یقیناً پاکستان کے نونہالوں کی میراث ہیں۔ اگر حکیم محمد سعید کردار کی عظیم مثال تھے اور نونہالوں کو کردار اور اخلاق سکھانے کی کوششیں ہمدرد نونہال کی جانب سے بھرپور تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ہمدرد نونہال اور حکیم صاحب کی اقدار پر عمل کریں تو یقیناً اس ملک کو عظیم سے عظیم تر بنایا جا سکتا ہے۔ اگر ہم بچوں کی تربیت درست انداز سے کریں تو پھر ملک کے

حوالے سے نہ صرف محبِ وطن افراد مہیا ہوں گے، بلکہ ہمیں اخلاقی کمزوریوں کی جو صورت آج دکھائی دے رہی ہے، آئندہ اس سے بھی محفوظ رہ سکیں گے۔ آخر میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمدرد نونہال کو اسکولوں کی لائبریریوں میں ضرور ہونا چاہیے۔

نونہال عبید الرحمٰن، نونہال اُسامہ بن انیس اور نونہال سید وجیہہ الحسن نے رسالہ ہمدرد نونہال کے بارے میں اپنے پُر محبت خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر ماہر تعلیم افتخار ظریف صاحب، محترمہ رابعہ انیس صاحبہ (ڈی۔ ای۔ او ایجوکیشن) اور کالم نگار جناب محمد سلیم آفاقی نے بھی اظہارِ خیال کیا۔ نونہالوں نے ملی نغمہ، ٹیبلو اور دعاے سعید پیش کی۔ آخر میں مہمانِ خصوصی نے بچوں میں انعامات تقسیم کیے۔

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی

رپورٹ حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں مہمانِ خصوصی محترمہ کوکب آرا ناصر اور دوسرے اہلِ علم اور نونہالوں نے اظہارِ خیال کیا

راولپنڈی کے اجلاس کی مہمانِ خصوصی ممتاز ماہرِ تعلیم محترمہ کوکب آرا ناصر تھیں۔ مہمان مقررین میں جناب طلعت کھوکھر اور جناب راشد حمید کلیامی تھے۔ صدارت محترمہ نور جہاں قریشی نے کی۔ جب کہ نظامت کے فرائض لاریب امجد نے ادا کیے۔

تلاوت قرآن مجید اور ترجمہ نونہال شاہ محمد نے پیش کیا۔ نونہال عائشہ صدیقہ نے اسمائے حسنہ پیش کیے۔ حمدِ باری تعالیٰ نونہال شہیر سرفراز نے اور نعت رسول مقبولؐ لبنیٰ پروین نے پیش کی۔

نونہال مقررین میں انعم خان، احسن نصیر، بنتِ زہرہ زینب شامل تھے۔ ان نونہالوں نے ایک خاکہ بھی پیش کیا اور شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کو خراجِ تحسین پیش کیا، جنھوں نے نونہالوں کے لیے ماہ نامہ ہمدرد نونہال جاری کیا اور نونہال اسمبلی کی بنیاد رکھی۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ پاکیزہ اور صحت مند معاشرے کی تعمیر کے لیے جہاں اچھی تعلیم ضروری ہے، وہاں بچوں کی ذہنی تربیت اور اخلاقی اصلاح کے لیے ان میں مطالعے کا شوق پیدا کرنا بھی بہت اہم ہے۔ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید صحت اور تعلیم کے میدان میں اپنا بے مثال کردار ادا کر رہے تھے۔ حکیم صاحب نے ہمدرد نونہال جاری ہی نہیں کیا، بلکہ اس کی بہتری، ترقی اور وسعت میں پوری دل چسپی لیتے رہے۔ حکیم صاحب نے اس کی ادارت جناب مسعود احمد برکاتی کے سپرد فرمائی، جن کو حکیم صاحب کی دوربین نظروں نے اس خدمت کے لیے مناسب ترسمجھا الحمدللہ یہ ادبی پودا خوب برگ وبار لایا اور اس رسالے نے نونہالوں میں مطالعے کی عادت کو فروغ دینے کے علاوہ ان میں لکھنے کا شوق بھی پیدا کیا۔

مہمانِ مقرر محترم قاضی عارف حسین ایڈووکیٹ نے کہا کہ ہمدرد نونہال ماشاءاللہ ساٹھا پاٹھا ہو چکا ہے۔ اس مدت میں یہ رسالہ اس ملک کے نونہالوں کا دادا تو نہیں مگر دل دادہ ضرور بن چکا ہے۔ ہمارے نونہالوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس کے پاس ہمدرد نونہال جیسا بہترین دوست ہر وقت موجود ہے۔ میں محترمہ سعدیہ راشد کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ وہ شہیدِ پاکستان کے تمام کاموں کو نہ صرف جاری رکھے ہوئے ہیں، بلکہ انھیں

کام یابی سے آگے بھی بڑھا رہی ہیں۔

مہمان مقرر محترم طلعت کھوکھر نے کہا کہ کچھ عرصہ پہلے نونہالوں کے لیے سامانِ تفریح میں کتب بینی اور رسائل پڑھنا ہی تھے۔ اس وقت بچوں کے لیے لائبریریوں میں رکھے جانے والے رسالوں میں سرِ فہرست ہمدرد نونہال ہوا کرتا تھا۔ آج بھی یہ ایک مشعل کی طرح ہے، جو اپنے قاری کو ہر طرح کی تفریح کے ساتھ ساتھ جامع معلومات فراہم کر رہا ہے۔

مہمان مقرر محترم راشد حمید کلیامی نے کہا کہ حکیم صاحب کی ذات پاکستان کے لیے ایک نعمت تھی۔ آپ کے افکار اور آپ کا کام بے مثل ہے۔ میں بچپن سے ہمدرد نونہال پڑھتا رہا ہوں اور آج بھی اس کا مطالعہ شوق سے کرتا ہوں اور اپنے اسکول کے طالب علموں کو بھی اسے پڑھنے کی تلقین کرتا ہوں۔ اسے پڑھ کر بہت خوشی اور طمانیت محسوس ہوتی ہے۔

مہمانِ خصوصی محترمہ کوکب آرا ناصر نے نونہالوں سے کہا کہ نونہالو! آپ سب شہید حکیم محمد سعید کا ورثہ ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم آپ نونہالوں سے خوشیاں لینے آتے ہیں۔ آپ کو اس فورم میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ ہمارا کل شان دار ہوگا اور اس کارِ خیر کی ساری جزا شہید پاکستان حکیم محمد سعید اور محترمہ سعدیہ راشد کو جاتی ہے۔

محترمہ نور جہاں قریشی نے کہا کہ حکیم صاحب نے ہمدرد نونہال، نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ساٹھ سال پہلے جاری کیا تھا۔ بچوں کے کردار کے سلسلے میں حکیم صاحب کی تمام تر کوششیں ان کی حکمت و تدبر کی عکاس ہیں۔ اجلاس کے اختتام پر نونہالوں میں انعامات تقسیم کیے گئے اور دعاے سعید پیش کی گئی۔

☆☆☆

واحد بھائی بنے ٹیچر

نوشاد عادل

''آخر تم کوئی ڈھنگ کا کام کرو گے بھی یا نہیں؟'' بیگم صاحبہ نے واحد بھائی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ واحد بھائی صحن میں بیٹھے بالوں پر خضاب لگا رہے تھے کہ بیگم کی گرج دار آواز سن کر اُن کا ہاتھ ہل گیا اور منہ پر کالک لگ گئی۔ اب وہ عجیب سی کوئی مخلوق لگ رہے تھے۔

''چلو، بس یہ کسر اور رہ گئی تھی، آخر اپنا منہ کالا کر ہی لیا۔ تم سے اچھے تو میری بہن کے شوہر اکبر بھائی ہیں، جو نوکری بھی کرتے ہیں اور شام کو آ کر بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے ہیں۔'' بیگم صاحبہ انھیں مکمل بے عزت کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔

''میری قسمت میں اور کوئی کام نہیں لکھا۔'' واحد بھائی منہ صاف کرتے ہوئے بولے۔

بیگم صاحبہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولیں: ''کام بھی تو دیکھو، سارے احمقوں والے کیے۔ کیا تم انسانوں والے کام نہیں کر سکتے؟''

''بیگم! احمق بھی انسان ہوتے ہیں۔ تم آخر چاہتی کیا ہو مجھ سے؟''

''میں یہ چاہتی ہوں، تم کوئی دوسرا کام بھی کرو۔ مہنگائی کا عالم دیکھا ہے تم نے، ساری تنخواہ تو تمھارے بچے کھا جاتے ہیں۔''

''سب سے زیادہ تو تم کھا جاتی ہو۔ ایک وقت میں آٹھ روٹیاں۔'' واحد بھائی دل میں کہنا چاہتے تھے، لیکن غلطی سے زبان سے نکل گیا۔ اس کے بعد بیگم صاحبہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چمٹا واحد بھائی پر کھینچ مارا۔ ان کے چند بچے بھی صحن میں بیٹھے اپنے باپ کی دُرگت بنتے دیکھ رہے تھے۔ وہ زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ چمٹا ''ٹن'' کی آواز کے ساتھ واحد بھائی کی کھوپڑی پر لگا تھا۔

پندرہ دن کے بعد واحد بھائی کے صحن کا منظر کچھ یوں تھا کہ وہاں کئی چادریں بچھی ہوئی تھیں اور ان پر تیس کے قریب بچے بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ گھر کے باہر ایک کپڑے کا بینر بندھا ہوا تھا، جس پہ لکھا تھا ''روشن مستقبل ٹیوشن سینٹر، پہلی سے آٹھویں جماعت کے بچوں کے لیے۔ بہترین نمبروں سے پاس ہونے کی گارنٹی کے ساتھ۔''

اُن تیس بچوں میں سے پانچ نالائق اور کوڑھ مغز بچے خود اُن ہی کے تھے۔ واحد بھائی بچوں کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھے تھے۔ کچھ بچے حلق پھاڑ پھاڑ کر سبق یاد کر رہے تھے۔ واحد بھائی نے انھیں زور سے ڈانٹا: ''ہلکے ہلکے پڑھو، نعرے نہیں لگاؤ۔''

ایک شیطان صورت بچہ کھڑا ہوا اور بولا: ''ماسٹر صاحب!''

واحد بھائی نے پوچھا: ''کیا ہوا؟''

بچہ بولا تو کچھ نہیں، مگر اس کی بے چینی دیکھ کر واحد بھائی نے جانے کا اشارہ کر دیا۔ بچہ باتھ روم کی جانب بھاگا۔ اتنے میں گلی میں شور سنائی دیا، پھر کھلے ہوئے دروازے سے ایک عورت اپنے بچے کو گھسیٹتی ہوئی اندر آئی۔ عورت نے بچے کا بیگ ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ رو رو کے بچے کا منھ لال ہو گیا تھا۔

''میں گھر جاؤں گا، مجھے گھر جانا ہے، میں یہاں نہیں پڑھوں گا۔'' بچہ حلق پھاڑ کر چلّا رہا تھا۔

''تیرا تو چچا بھی پڑھے گا...... منھ بند کر اپنا۔'' عورت نے اسے ڈانٹا۔

''میں بڑوں کو نہیں پڑھاتا، صرف بچے پڑھتے ہیں میرے پاس۔'' واحد بھائی نے جلدی سے اسے بتایا۔

''میں گھر جاؤں گا۔'' بچہ زور زور سے رو رہا تھا، لیکن مجال ہے جو اس کی آنکھ میں ایک بھی آنسو ہو۔ عورت نے اس کی کمر پر ایک ہاتھ مارا: ''بیٹھ جا ادھر، اتنے سارے بچے

بھی تو پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح جاہل کا جاہل رہے گا کیا، چل بیٹھ۔''

بچہ بھی کسی اڑیل ٹٹو کی طرح اڑ گیا۔ اس نے تختے کی طرح خود کو اکڑا لیا تھا اور بیٹھ ہی نہیں رہا تھا۔

عورت واحد بھائی پر چیخی: ''ارے کیسے استاد ہو، پکڑ کر بٹھاؤ اسے۔''

واحد بھائی گھبرا کر کھڑے ہوئے اور بچے کو پکڑ لیا: ''چل بیٹھ...... مجھ سے ڈرامے بازی نہیں چلے گی۔''

بچے نے ان کے ہاتھ پر زور سے کاٹ لیا تھا۔ عورت نے جھپٹ کر بچے کو پکڑا اور تین چار تھپڑ مار دیے: ''اپنے استاد کو کاٹتا ہے! استاد جی! اسے مرغا بنا دو۔''

واحد بھائی ہاتھ مسل رہے تھے۔ انھوں نے ڈانٹ کر کہا: ''چل جلدی سے مرغا بن، ورنہ ماروں گا۔''

بچے نے رونی صورت بنا کر کہا: ''مجھے مرغا بننا نہیں آتا۔''

عورت بولی: ''نہیں آتا تو ماسٹر صاحب سکھا دیں گے۔'' پھر واحد بھائی کی طرف مڑ کر کہنے لگی: ''ماسٹر صاحب! ذرا بچے کو سکھا دو کہ مرغا کیسے بنتے ہیں، پھر یہ خود بن جایا کرے گا۔''

واحد بھائی بغیر سوچے سمجھے سیدھے کھڑے ہوئے اور بچے سے کہا: ''ادھر دیکھو میری طرف۔ مرغا ایسے بنتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی واحد بھائی مرغا بن گئے۔ سارے بچے منھ پھاڑ کر ہنسنے لگے۔ واحد بھائی کو اپنی حماقت کا احساس ہوا تو جلدی سے سیدھے ہو گئے اور بچوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا: ''اے...... ہنس کیوں رہے ہو؟ میں کوئی بندر نچا رہا ہوں؟''

ایک بڑی عمر کا بچہ کھڑا ہوا، جو شکل سے ہی عمرو عیار لگ رہا تھا۔ وہ بولا: ''ماسٹر صاحب! میں نے غور سے نہیں دیکھا کہ مرغا کیسے بنتے ہیں۔ مہربانی فرما کر دوبارہ بتائیں۔''

واحد بھائی بدھو تو تھے، مگر اتنے بھی نہیں۔ وہ آگے آئے اور اسے جھکاتے ہوئے بولے: ''ارے میرا بچہ! دیکھ نہیں سکا۔ چل، اب میں بتا دوں گا کہ مرغا کیسے بنتے ہیں۔'' اور انھوں نے اُسے زبردستی مرغا بنا ڈالا۔

☆......☆......☆

اگلے روز ایک بچہ ہوم ورک کر کے نہیں آیا اور نہ سبق یاد کیا تھا۔ واحد بھائی نے اُسے بلایا اور غصے سے پوچھا: ''سبق یاد کیوں نہیں کیا؟''

''وہ تو آپ یاد کرائیں گے۔'' بچے نے جواب دیا۔

''اور امتحان بھی تیری جگہ میں دے کر آ جاؤں گا۔ چل، مرغا بن جا۔''

''میں مرغا نہیں، افسر بنوں گا۔''

واحد بھائی نے ایک تھپڑ مارا: ''تیرے تو اچھے بھی مرغا بنیں گے۔'' واحد بھائی نے اسے مرغا بنایا اور ایک چھوٹے بچے کو اس کی کمر پر بٹھایا۔ اس کے بعد کوئی اور قابلِ ذکر بات نہ ہوئی، لیکن جب واحد بھائی دوسرے روز آفس سے واپس آ رہے تھے تو گلی کے کونے پر دو آدمیوں نے انھیں روک لیا۔

''ماسٹر! ذرا بات تو سنتے جاؤ۔'' ایک آدمی نے آواز لگائی۔

واحد بھائی رک کر انھیں دیکھنے لگے: ''کیا بات ہے؟ جلدی بتاؤ۔ مجھے جانا ہے۔''

''جانا تو سب کو ہے ایک نہ ایک دن۔'' دوسرا آدمی اکڑے ہوئے انداز میں ان کے سامنے کھڑا ہو کر بولا: ''لگتا ہے تمھیں جانے کی زیادہ جلدی ہے؟''

واحد بھائی دانت نکال کر بولے: ''جی جی...... ہاں جی۔''

اس آدمی نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کیا: ''انھیں جانتے ہو، یہ کون ہیں؟''

واحد بھائی نے دوسرے آدمی کو غور سے دیکھا اور پھر تالی بجا کر بولے: ''پہچان

لیا۔ یہ وہی ہے نا، جو رمضان میں ڈبا بجا کر سحری میں لوگوں کو جگاتا ہے۔''

''ارے، یہ اس علاقے کے تھانے دار ہیں۔'' آدمی نے بتایا۔

''اوہ اچھا، مگر یہ منہ بنا کر کیوں کھڑے ہیں۔ پیٹ میں گڑگڑ ہو رہی ہے کیا؟''

تھانے دار نے پہلی بار زبان کھولی: ''ماسٹر! تم نے میرے اکلوتے بیٹے کو کیوں مارا اور اسے مرغا کیوں بنایا؟''

''میں کوئی جادوگر ہوں، جو بچے کو مرغا بناؤں گا!''

اتنے میں ایک جانب سے وہی بچہ آ گیا، جسے واحد بھائی نے مرغا بنایا تھا۔ واحد بھائی اسے دیکھ کر چونک گئے اور تھوک نگل کر بولے: ''ہائیں...... تو یہ آپ کا بچہ ہے؟''

تھانے دار کا ساتھی غرایا: ''تو تمھیں کسی گدھے کا بچہ نظر آ رہا ہے؟''

واحد بھائی زبردستی مسکراتے ہوئے بولے: ''ارے یہ تو بہت لائق اور ذہین بچہ ہے۔ پڑھنے میں ایک دم تیز۔ ادھر آؤ بیٹا!'' واحد بھائی نے بچے کے سر پر اتنی تیز تیز ہاتھ پھیرا کہ اس کے بال بگڑ گئے اور وہ جنگلی لگنے لگا تھا۔

''آیندہ میرے بچے کو ہاتھ مت لگانا، ورنہ......!'' تھانے دار نے دھمکانے والے انداز میں کہا۔

''بے فکر رہو جمعدار...... مم...... میرا مطلب ہے تھانے دار صاحب! اب میں اسے کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ جب لگاؤں گا، جوتا لگاؤں گا۔'' واحد بھائی کی زبان پھر پھسل گئی۔

''کیا؟'' تھانے دار کے نتھنے پھول گئے۔

''ہم...... میرا...... میرا مطلب ہے، بالکل نہیں ماروں گا۔ یہ تو ماشاءاللہ قابل بچہ ہے۔ پڑھتا کہاں ہے، اُلٹا مجھے پڑھاتا ہے۔ ہی ہی ہی۔'' واحد بھائی کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولے۔

''ماسٹر! اس کے امتحان ہونے والے ہیں، کلاس میں اول نمبر اسی کا آنا چاہیے، ورنہ سوچ لینا پھر......!'' تھانے دار نے انھیں کھلے لفظوں میں دھمکا دیا۔

''ہاں، میں نے سوچ لیا ہے۔ اگر یہ اول نمبر نہیں آیا تو پھر تھانے میں میری پیشی ہوگی۔ ہے نا بھئی!'' واحد بھائی کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔

''سمجھ دار کو اشارہ کافی ہے۔'' تھانے دار کا ساتھی بھونڈے انداز میں ہنسا۔

''اچھا، اب میں چلوں، مجھے ایک غیر ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ خدا حافظ۔'' یہ کہہ کر واحد بھائی تیزی سے گھر کی جانب چل پڑے۔ تھانے دار اور اس کا ساتھی انھیں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

☆......☆......☆

روز شام کو واحد بھائی جب گھر آتے تو بچوں کا ہجوم ان کا انتظار کر رہا ہوتا تھا، جن میں ان کے اپنے بچے بھی شامل ہوتے تھے۔ ہمیشہ ایسا ہوتا تھا کہ واحد بھائی گھر میں داخل ہوتے اور اُن کے بچے ''ابو آ گئے، ابو آ گئے'' کہتے ہوئے ان سے چمٹ جاتے تھے۔

یہ عادت اب بھی ان کے بچوں میں موجود تھی۔ آج بھی وہ گھر میں داخل ہوئے تو تقریباً تمام ہی بچے ان کے طرف ''ابو آ گئے، ابو آ گئے'' کہتے ہوئے لپکے۔ ان میں چند بچے تو ان کے اپنے تھے، باقی وہ بچے تھے جو ٹیوشن پڑھنے آتے تھے۔

اتنے سارے بچوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر واحد بھائی کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ گھبرا کر اپنے کمرے کی طرف لپکے، لیکن راستے میں رکھی بالٹی نہ دیکھ سکے۔ بڑی زور سے اُن کا پیر بالٹی پر پڑا۔ بالٹی میں پانی بھرا ہوا تھا، وہ سارا بہ گیا اور واحد بھائی منھ کے بل فرش پر گر پڑے۔ ایک چیخ ان کے منھ سے نکلی۔

بچے پہلے تو ''ابو آ گئے، ابو آ گئے'' چلا رہے تھے اور اب صورتِ حال کے مطابق وہ

بو گر گئے، ابو گر گئے'' چلا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد واحد بھائی چار پائی پر پڑے کراہ رہے تھے۔ بچے تھوڑی دور
ے تھے اور واحد بھائی کی بیگم صاحبہ انھیں اپنے خاص انداز میں باتیں سنا رہی تھیں۔
''کیا چڑیل پیچھے آ رہی تھی جو اندھوں کی طرح بھاگنے لگے۔ ابھی بھر کے رکھا تھا
ل، سارا گرا دیا۔ اب پھر جا کر بالٹی بھروں سارے کام ہی اوندھے ہوتے ہیں تمھارے۔
رام کرنے کا بہانہ ملنا چاہیے۔ فوراً پڑ گئے چار پائی پر......''

واحد بھائی انھیں کیا جواب دیتے۔ بیگم صاحبہ کے منھ کی طرح ان کا پیر سوج گیا تھا۔
یگم صاحبہ نے جی بھر کے انھیں باتیں سنائیں اور باورچی خانے میں گھس گئیں۔

دو دن تک وہ دفتر بھی نہیں گئے اور بچوں کو چار پائی پر پڑے پڑے پڑھاتے
ہے۔ پڑھاتے کیا رہے، بچے خود ہی الٹا سیدھا پڑھ کر اور اسکول کا ہوم ورک کر کے چلے
اتے تھے۔ اس کے علاوہ بیگم صاحبہ ٹیوشن کے لیے آنے والے بچوں سے گھر کے کام کاج
راتی رہتی تھیں۔ انھیں مفت کے نوکر مل گئے تھے، جن کے ماں باپ فیس بھی دیتے تھے۔

کچھ دن بعد واحد بھائی کا پیر ٹھیک ہو گیا۔ ایک شام وہ بچوں کو پڑھانے میں
مصروف تھے کہ ایک آدمی وہاں آیا۔ اس کا بچہ وہاں ٹیوشن پڑھتا تھا۔

اس آدمی نے آتے ہی کہا: ''ماسٹر صاحب! مجھے شکایت ہے۔''

واحد بھائی نے خوش اخلاقی سے جواب دیا: ''دہی میں زیرہ ملا کر کھائیں، شکایت دور ہو جائے گی۔''

آدمی خفا ہو کر کہنے لگا: ''بھئی، میں ایک شکایت کرنے آیا ہوں۔''

''بجلی کا بل زیادہ آ گیا ہے کیا؟'' واحد بھائی نے اس بار بھی اس کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

"اوہو بھئی، سن تو لیں۔ مجھے اپنے بچے کی بات کرنی ہے۔" وہ جھنجلا اٹھا۔

"بچوں جیسی بات کرنی ہے تو بچوں سے کریں، مجھ سے کیوں کر رہے ہیں؟" واحد بھائی نے سر ہلایا۔

"یا اللہ! میں کہاں جاؤں؟" اس آدمی نے آسمان کی طرف دیکھا۔

"گھر جائیں، کھانا کھا کر آرام سے ٹی وی دیکھیں۔" واحد بھائی نے مفت مشورہ دیا۔

"ماسٹر صاحب! میرا وقت ضائع ہو رہا ہے۔" آدمی کی بے بسی دیکھنے والی تھی۔

"وقت ضائع کرنے والے بعد میں پچھتاتے ہیں۔" واحد بھائی نے نصیحت کی۔

"مجھے اپنے بیٹے پپو کی بات کرنی ہے۔" وہ آدمی زور سے چلایا کہ سب بچے سہم گئے۔

"تو کرو، اس میں چلانے والی کون سی بات ہے۔ میں پہاڑ کی چوٹی پر تو نہیں بیٹھا نا۔" واحد بھائی نے منہ بنایا۔

اس آدمی نے رک رک کر کھا جانے والی نظروں سے واحد بھائی کو گھورا اور پھر بولا: "پپو کے اسکول سے شکایت آئی ہے کہ آپ کے بچے میں فیل ہونے کی تمام نشانیاں ظاہر ہو گئی ہیں۔"

واحد بھائی نے جلدی سے اُٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور خوشی سے کہا: "مبارک ہو، میں پڑھاتا ہی اس انداز سے ہوں کہ کچھ نہ کچھ تبدیلیاں تو آنی ہی تھیں۔"

"میں یہ کہنے آیا تھا کہ اب پپو یہاں پڑھنے نہیں آئے گا۔" وہ آدمی دانت پیس کر بولا۔

"یہاں نہیں تو میں چھت پر پڑھا دیا کروں گا، شاید پپو کو صحن اچھا نہیں لگا۔" واحد بھائی نے اپنے خیال میں بڑی عقل مندی کی بات کی۔

آدمی زور سے بولا: "میں جا رہا ہوں۔"

"بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بس مڑ کر چلنا شروع کر دو۔ سب سمجھ جائیں گے کہ تم جا رہے ہو۔" واحد بھائی اسے تنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ایک عورت آ گئی۔ اس کا بچہ بھی واحد بھائی کے پاس پڑھتا تھا۔ عورت آتے ہی ناراض لہجے میں کہنے لگی: "ماسٹر صاحب! آخر یہ سب کیا ہے؟"

"یہ سب دنیا فانی ہے اور ایک روز سب کو مر ہی جانا ہے۔" واحد بھائی نے جھوم کر جواب دیا۔

"میں اپنے بیٹے کاشف کا پوچھ رہی ہوں۔ پہلے وہ پڑھنے میں بہت اچھا تھا۔ اسکول والے بھی تعریفیں کیا کرتے تھے۔ سب سے زیادہ نمبر ملتے تھے اسے، لیکن اب وہ بدتمیز اور کوڑھ مغز ہو گیا ہے۔ پڑھنے سے بھاگتا ہے اور اسکول سے بھی شکایتیں آنے لگی ہیں۔ کل اس کی ٹیچر کہہ رہی تھیں کہ کاشف کو کس جاہل کے پاس پڑھنے بھیجتی ہو؟"

واحد بھائی نے جھٹ جواب دیا: "تو آپ کہہ دیتیں کہ بچہ آپ کے پاس ہی تو پڑھنے آتا ہے۔"

"کاشف کے ابا کو تو جانتے ہیں نا آپ! باڈی بلڈر ہیں۔ انھوں نے کہلوایا ہے کہ اگر اس بار کاشف فیل ہوا تو میں ماسٹر صاحب کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔"

"ارے! ان سے جا کر کہہ دو کہ بے فکر ہو جائیں۔ کاشف اس بار اسکول میں ٹاپ کرے گا۔ اگر کاشف کے ابا کو ہڈیاں توڑنے کا شوق ہے تو کسی قسائی کی دکان پر نوکری کر لیں۔"

عورت انھیں گھورتی ہوئی چلی گئی۔ اس کے بعد بھی کئی لوگ اپنے بچوں کی شکایتیں لے کر آئے، لیکن واحد بھائی نے سب کو مطمئن کر کے واپس بھیج دیا اور سب سے یہی کہا کہ اس بار ان کا بچہ پورے اسکول میں اول آئے گا۔ کچھ دنوں بعد بچوں کے امتحان شروع ہو گئے۔ ان کے سبق بہت مشکل مشکل تھے، جو واحد بھائی کے سر سے گزر جاتے تھے۔ اس کے باوجود جو کچھ بھی ان کی سمجھ میں آ رہا تھا، وہ پڑھائے جا رہے تھے۔ بچے بھی خوش تھے کہ ماسٹر صاحب بالکل جاہل ہیں۔ پھر کسی نہ کسی طرح امتحانات ختم ہو گئے۔ اب صرف

نتائج کا انتظار تھا۔

واحد بھائی نے بچوں کے والدین سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ اس بار ان کا بچہ اگلے پچھلے سارے رکارڈ توڑ ڈالے گا اور ساتھ ہی وہ مٹھائی، دو جوڑے کپڑے اور دُگنی فیس بھی لیں گے۔

☆......☆......☆

آج صبح ہی صبح واحد بھائی کی آنکھ کھل گئی۔ چھٹی کا دن بھی تھا اور موسم بڑا سہانا ہو رہا تھا۔ گھر والے سو رہے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ آج حلوا پوری کا ناشتا کیا جائے۔ وہ باہر گئے اور حلوا پوری لے آئے۔ انھوں نے اکیلے ہی اکیلے تمام پوریاں اور حلوا کھا لیا، یہ سوچ کر کہ اگر بچے اور بیگم صاحبہ اٹھ گئیں تو انھیں آدھی پوری بھی نہیں ملے گی۔

آٹھ بجے بیگم صاحبہ اٹھیں۔ انھوں نے واحد بھائی کو جاگتے دیکھا تو بولیں: ''یہ آج چھٹی والے دن صبح صبح کیسے اٹھ گئے؟ بیٹھ کر چلّہ تو نہیں کاٹ رہے ہو؟''

''میں چلّہ کیوں کاٹنے لگا؟'' واحد بھائی چڑ گئے: ''میں جادوگر ہوں کیا؟''

''اچھا سنو! آج موسم بہت اچھا ہے، کہیں گھومنے چلتے ہیں۔'' بیگم صاحبہ نے فرمایش کر ڈالی۔

''گلی کے کونے پر بچوں کے جھولے والا کھڑا ہوتا ہے۔ جھولے میں بیٹھ جاؤ اور خوب گھوم لو۔'' واحد بھائی نے جواب دیا۔

''بہت بہادر بن رہے ہو آج، دماغ تو ٹھیک ہے نا؟'' بیگم صاحبہ نے انھیں غور سے دیکھا۔

واحد بھائی کے جواب دینے سے پہلے گلی کے دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ واحد بھائی اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھے: ''کون ہے بھائی! آرام سے بجاؤ دروازہ

پیسے دے کر لگوایا ہے۔''

جونہی انھوں نے دروازہ کھولا۔ ایک ہاتھ آیا اور واحد بھائی کو گریبان سے پکڑ کر باہر لے گیا۔ فوری طور پر واحد بھائی کچھ سمجھ ہی نہ سکے۔ پھر ہوش آیا تو گلی میں بہت سے آدمیوں کے علاوہ کئی عورتیں کھڑی دیکھیں۔ یہ ان بچوں کے والدین تھے، جو واحد بھائی سے ٹیوشن پڑھنے آتے تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں رپورٹ کارڈ تھے۔

واحد بھائی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے: ''السلام علیکم پیارے والدین! لگتا ہے سب پکنک پر جا رہے ہیں۔ موسم اچھا ہے نا آج، کیوں بھئی...... ٹھیک کہا نا میں نے؟''

انھوں نے پہلوان نما آدمی سے پوچھا، جس نے انھیں کھینچا تھا۔

''پکنک تو ہم بنائیں گے تمھاری ماسٹر!'' پہلوان غرایا: ''یہ دیکھو میرے بچے کاشف کی رپورٹ...... فیل آیا ہے۔ پورے اسکول میں سب سے کم نمبر لیے ہیں اس نے۔'' اس کے ساتھ ہی لوگوں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔

''میرا بیٹا بھی بُری طرح فیل ہوا ہے۔''

''میرے بچے نے آٹھ سو نمبروں میں سے صرف آٹھ نمبر لیے ہیں۔''

''غضب خدا کا! پہلے میرا بیٹا اچھے نمبروں سے ہمیشہ پاس ہوتا آیا ہے، اس بار تو ایسا لگ رہا ہے جیسے اس کے دماغ سے پڑھائی کا خانہ ہی ختم ہو گیا ہے۔''

''تم نے پاس ہونے کی گارنٹی دی تھی یا فیل ہونے کی؟''

''مم...... میں...... میری بات...... تو سنو......'' واحد بھائی کو شدید خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔

''اب رہ کیا گیا ہے سننے کو...... تمھاری بات سن کر کیا بچے پاس ہو جائیں گے؟''

پہلوان نے ان کی گدی دبوچتے ہوئے پوچھا۔

''آرام سے پکڑو۔ ایک ہی گردن ہے میری۔ آئے ہائے...... بچے فیل آئے

ہیں تو اس میں میرا قصور نہیں ہے، اسکول والوں کا ہے۔ اتنی مشکل کتابیں پڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتیں۔''

''مارو، انھوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے، مارو۔'' سب لوگ چلّانے لگے اور اچانک ہی واحد بھائی پہلوان کی گرفت سے نکل بھاگے۔ پیچھے پکڑو...... پکڑو کا شور مچ گیا۔ سب لوگ ان کے تعاقب میں بھاگے۔ واحد بھائی جانتے تھے کہ اگر وہ رک گئے تو پھر اسپتال میں ہی آنکھ کھلے گی۔ جیسے ہی وہ گلی کے کونے پر آئے، ایک گاڑی ان کے سامنے آ کر رکی۔ واحد بھائی تیزی سے اس میں بیٹھ گئے اور بولے: ''گاڑی چلا دو جلدی سے۔'' انھوں نے ڈرائیور کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ آنے والے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ ڈرائیور نے جھٹ گاڑی آگے بڑھا دی۔ واحد بھائی نے سکون کا سانس لیا، لیکن جب ڈرائیور کو دیکھا تو اُچھل پڑے۔ وہ تھانے دار تھا، جس کا بچہ ان کے پاس پڑھتا تھا۔

''بھاگ کے کہاں جاؤ گے ماسٹر! اچھا ہوا شکار خود ہی آ گیا۔'' تھانے دار نے دانت نکالے۔

''ای ی ی......'' واحد بھائی کے منھ سے ڈری ڈری آواز نکلی: ''تھانے دار جی! آپ کا بچہ تو پاس ہو گیا ہے نا؟''

''زبردست نمبروں سے فیل آیا ہے۔'' تھانے دار نے بتایا: ''اسی لیے تو تمھیں تھانے لے جا رہا ہوں۔''

''وہ...... وہ کس لیے......؟'' واحد بھائی کلائے۔

''خاطر تواضع کے لیے ماسٹر!'' تھانے دار نے کہا: ''مار کھانے کی تیاری کر لو۔''

☆......☆......☆

امتحان میں کام یاب

وقاص یوسف بھڑنگ

مسعود احمد اسی وقت آفس سے گھر پہنچا تھا اور کھانا کھا کر آرام کی غرض سے لیٹا ہی تھا کہ موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے بیزاری سے موبائل کی اسکرین پر نگاہ دوڑائی اور چونک پڑا۔ موبائل اسکرین پر ایک نامعلوم نمبر نظر آ رہا تھا۔ اس نے کال ریسیو نہیں کی اور موبائل فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ مسعود احمد ایک بڑی تجارتی کمپنی میں کام کرتا تھا اور اس نوکری کے لیے انٹرویو کے بعد چند مہینے پہلے ہی منتخب ہوا تھا۔ رات کے قریباً بارہ بجے موبائل کی گھنٹی سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس بار اس نے فون اُٹھایا:

''السلام علیکم! مسعود احمد بات کر رہا ہوں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' دوسری جانب سے آواز آئی۔

''کیا مطلب! بھئی، تم کون ہو؟ اپنا نام بتاؤ اور یہ فون کرنے کا کون سا وقت ہے؟'' مسعود احمد اس بار تیز لہجے میں بولا۔

''ہاہاہا...... لگتا ہے بہت غصے میں ہو۔ خیر، میں تمھارا ہمدرد ہوں، لیکن دشمن بھی ہو سکتا ہوں۔'' دوسری طرف سے ہنس کر کہا گیا۔

''مجھے تو تم کوئی پاگل لگتے ہو۔ ارے بھئی، تمھیں کس سے بات کرنی ہے؟''

''اب میں تمھیں کام کی بات بتاتا ہوں۔ دراصل اپنے دفتر سے تمھیں ایک چیز چوری کرنی ہے۔''

''کیا؟ کیا کہا؟ ایک چیز چوری کرنی ہے۔ اب تو مجھے یقین ہو چلا ہے کہ تم ضرور کوئی پاگل ہو۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔''

''ارے رکو، پہلے پوری بات تو سنو۔ غور سے سنو...... مجھے معلوم ہے کہ تم سیٹھ حشمت نواز

کے پاس نوکری کرتے ہو۔ آج ۲۹ تاریخ ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کل مہینے کا آخری دن ہے، اس لیے کل حشمت نواز تمام ملازمین کو تنخواہ دیں گے۔ بس تمھیں یہ کرنا ہے کہ......''

''کیا کرنا ہے؟'' مسعود احمد نے حیرت سے پوچھا۔

''تمھیں یہ کرنا ہے کہ جب حشمت نواز کسی کام سے کمرے سے باہر جائیں تو ان کی میز کی دراز میں سے تنخواہوں کی رقم چوری کرنی ہے اور ہماری بتائی ہوئی جگہ پہنچانی ہے۔ اس کے بدلے ہم تمھیں تیس ہزار روپے انعام دیں گے۔''

''اور اگر میں یہ کام نہ کروں تو؟'' مسعود احمد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''تو پھر تمھارے بچے کو اغوا کرلیا جائے گا۔'' دوسری جانب سے سرد لہجے میں کہا گیا۔

''نن...... نہیں...... میں تمھارا کام کرنے کی کوشش کروں گا، لیکن......''

''لیکن کیا، دیکھو بھئی، تم حشمت نواز کے زیادہ قریب ہو۔ ان کے کمرے میں آتے جاتے رہتے ہو۔ تمھارے لیے پیسے چوری کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور ویسے بھی انکار کی صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ کیا ہوگا؟''

''نن...... نہیں...... میں یہ کام کردوں گا۔'' مسعود احمد جلدی سے بولا۔ نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہوگئی تھی۔

''شاباش! اس صورت میں تم تیس ہزار کے مستحق ہوگے۔ خیر، اب کل بات ہوگی۔'' یہ کہہ کر دوسری جانب سے فون بند کردیا گیا۔ اِدھر مسعود احمد کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ پوری رات اس نے کروٹیں بدلتے گزاری۔

اگلے دن جب وہ آفس پہنچا تو انھی خیالات میں گھرا ہوا تھا۔ ایک جانب اس کا ضمیر تھا تو دوسری جانب اسے اپنے بچے کی فکر تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اتنا پریشان ہوا

تھا۔ آخر وہ حشمت نواز کے کمرے میں دھک دھک کرتے دل کے ساتھ داخل ہوا۔ اتفاق سے اس وقت سیٹھ حشمت نواز کمرے میں نہیں تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے دراز کھولی۔ اس لمحے اس کا ماتھا پسینے میں شرابور تھا۔ دراز میں تنخواہوں کے پیکٹ تیار رکھے تھے۔ اچانک اس کے دل میں نہ جانے کیا بات آئی کہ اس نے جلدی سے دراز بند کی اور اُلٹے قدموں کمرے سے باہر نکل گیا۔ پورا دن آفس میں مصروف رہا، آخر چھٹی کا وقت ہوا۔ ملازمین کو تنخواہ ملی اور وہ گھر آ گیا۔ اب پھر اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اپنے بچے کی حفاظت کیسے کرے۔

موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے لپک کر کال ریسیو کی۔

''ہاں...... کیا رہا؟'' وہی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں تمھارا کام نہیں کرسکا، بلکہ خوشی ہے کہ میں نے تمھارا کام

نہیں کیا، کیوں کہ مجھے ایک نصیحت یاد آ گئی تھی، میری ماں کی نصیحت۔ میری ماں نے کہا تھا کہ جہاں کہیں بھی کام کرو، دیانت داری سے کرنا، کیوں کہ دیانت دار آدمی کو سب پسند کرتے ہیں اور خدا بھی۔ میں نے تمھارے کہنے پر عمل نہیں کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ سیٹھ صاحب کو مجھ پر جو اعتماد ہے، اسے ٹھیس پہنچاؤں۔ میں نے اپنے بڑوں سے یہی سیکھا ہے کہ حلال روزی میں برکت ہوتی ہے۔'' مسعود احمد بولتا رہا، لیکن دوسری طرف سے فون کاٹ دیا گیا۔
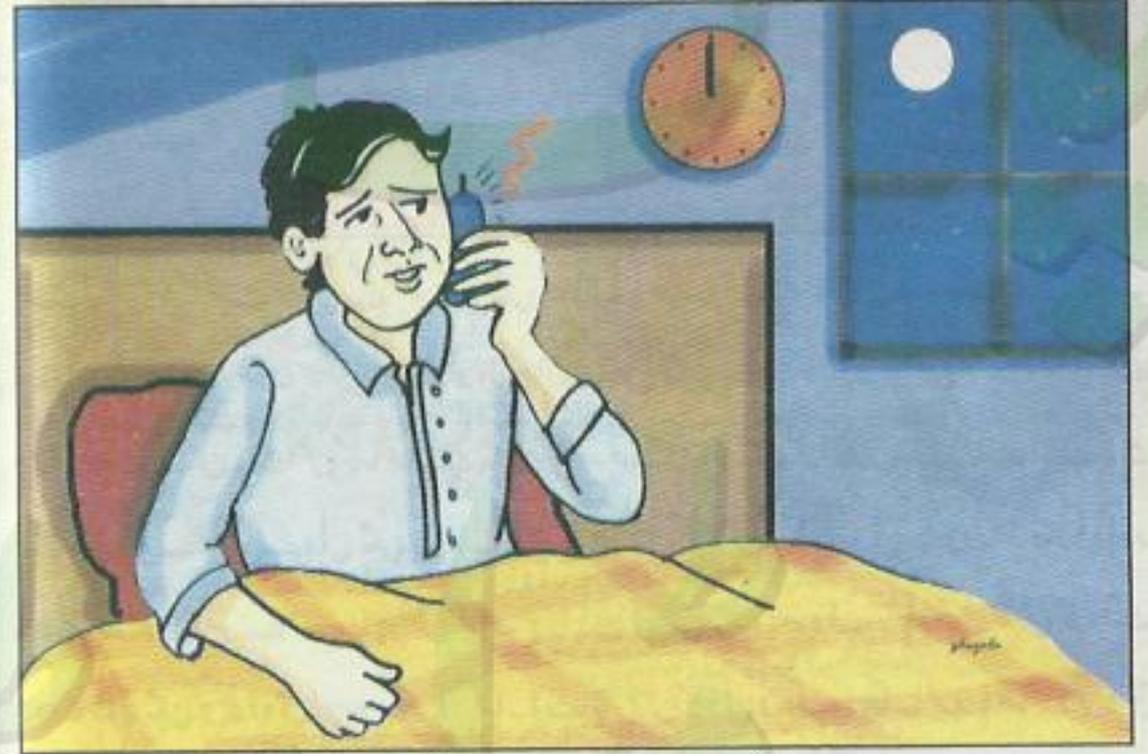
دوسرے دن وہ پھر آفس پہنچا۔ اس بار وہ پُر سکون تھا۔ اس نے اپنے بچے کی حفاظت کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ اب اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچا اور کام میں مصروف ہو گیا۔ اچانک اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ وہ گھبرا گیا اور نظریں اُٹھا کر اوپر دیکھا۔ سیٹھ حشمت نواز ہزار ہزار کے نوٹ ہاتھوں میں لیے کھڑے

تھے: ''لو، مسعود احمد! یہ اپنے تیس ہزار رپے۔'' حشمت نواز بولے۔

''میرے تیس ہزار؟...... سر! کیا مطلب؟'' مسعود احمد چونک پڑا۔

''مطلب یہ کہ ہمارے آفس میں نئے ملازم کا اسی طرح امتحان لیا جاتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم امتحان میں کام یاب ہوئے ہو۔'' حشمت نواز مسکرا کر بولے۔

''اوہ......'' مسعود احمد کے منھ سے بے اختیار نکلا۔ وہ ساری بات سمجھ چکا تھا۔ اس نے یہ پیسے حشمت نواز کو واپس کرنے چاہے، لیکن انھوں نے زبردستی اس کی جیب میں ڈالے اور واپس چلے گئے۔

☆

دنیا کا سب سے بڑا پرندہ

شتر مرغ

شتر مرغ دنیا کا سب سے بڑا پرندہ ہے جس کی اوسط اونچائی ۲.۷ میٹر تک ہوتی ہے۔ یہ افریقا کے کھلے میدانوں میں رہتا ہے، جہاں یہ بیج اور پھلوں کے ساتھ ساتھ چھپکلیاں اور کیڑے مکوڑے بھی کھاتا ہے۔ شتر مرغ اُڑ نہیں سکتا، لیکن یہ بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔ خیال ہے کہ شتر مرغ کی رفتار بعض اوقات ۷۰ کلو میٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ اپنی اس تیز رفتاری کی بدولت یہ شیر اور چیتے جیسے دشمنوں سے بچ نکلتا ہے۔ شتر مرغ کے انڈے کا سائز اور وزن بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق شتر مرغ کا ایک انڈا مرغی کے چالیس انڈوں کے برابر ہوتا ہے۔

☆

اقرارِ جرم

محمد طارق
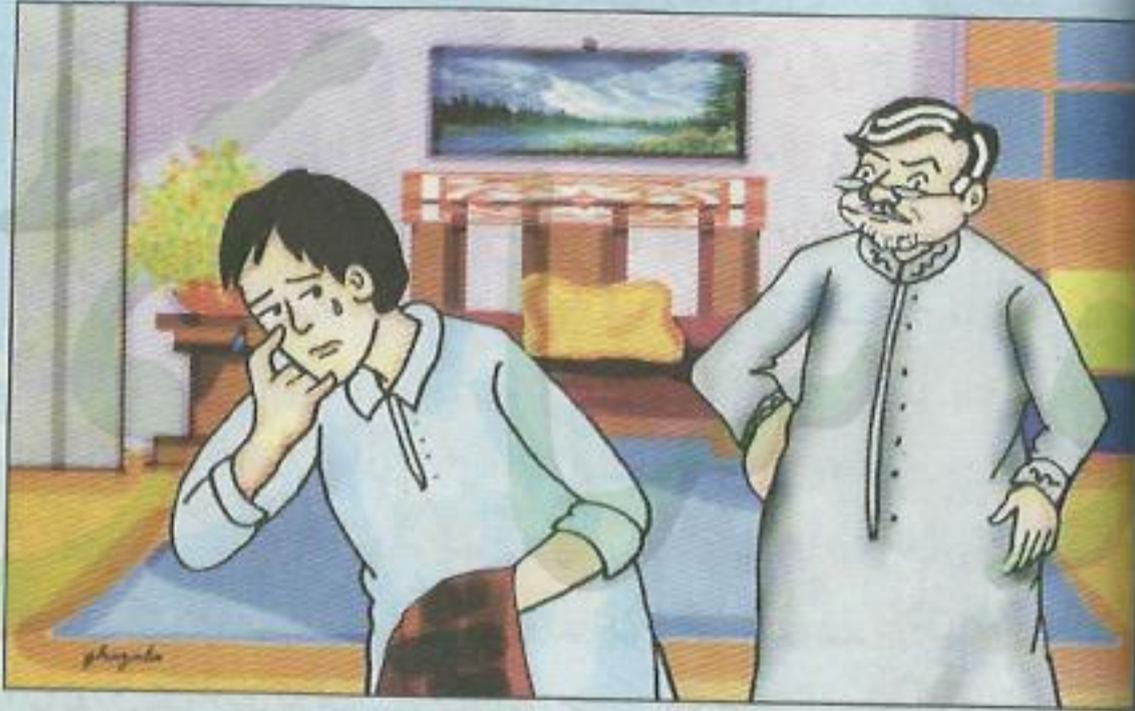
''میں تمھیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔ اپنا جرم تسلیم کر کے سونے کا ہار واپس کر دو، ورنہ تم سلاخوں کے پیچھے نظر آؤ گے۔'' سیٹھ نیازی دہاڑے۔

پھر کچھ توقف کے بعد دوبارہ بولے: ''یہ بھی خوب سن لو، انسپکٹر عمران جلالی میرے گہرے دوست ہیں۔ تمھارا وہ حشر کراؤں گا کہ تمھاری نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔ اپنا جرم تو تم پہلے دن کی تفتیش میں اُگل دو گے۔ نہ گھر کے رہو گے نہ گھاٹ کے، اس لیے اب بھی موقع ہے، سیدھی طرح ہار واپس کر دو۔''

''لیکن صاحب جی! میں نے ہار چوری نہیں کیا۔ بے شک قسم لے لیں۔'' بھورا روہانسا ہو گیا۔

''پھر وہی رٹا رٹایا جملہ!'' سیٹھ نیازی نے اسے گھورا: ''اگر تم کہتے ہو، تم نے ہار

چوری نہیں کیا تو پھر کس نے کیا ہے؟ کیا جن اُٹھا کر لے گئے ہیں؟ چوروں کا تو یہ کام نہیں لگتا، کیوں کہ اگر یہ کام ان کا ہوتا تو یقیناً وہ صرف ہار کی چوری پر ہی اکتفا نہ کرتے، بلکہ تجوری میں سے رقم اور زیورات بھی چراتے اور گھر کی جتنی بھی قیمتی چیزیں ہیں، انھیں بھی چرا لیتے۔ جب کہ معاملہ اس کے اُلٹ ہے۔ سوائے ہار کی چوری کے باقی سب ٹھیک ہے۔ دوسری بات یہ کہ کسی بھی دروازے کا تالا یا کنڈا ٹوٹا ہوا نہیں اور نہ کسی قسم کے نشان ہیں، جس سے یہ ثابت ہو کہ کوئی چور دیوار پھلانگ کر گھر میں گھسا ہے۔ ضرور یہ گھر کے کسی فرد کا کام ہے۔ ظاہر ہے میرے بیوی بچے تو ایسی حرکت کرنے سے رہے۔ باقی بچے تین ملازم، جانی، مانی اور تم۔ جانی ہمارا پرانا ملازم ہے۔ اسے یہاں ملازمت کرتے ہوئے پندرہ سال ہو گئے۔ وہ نہایت شریف اور ایمان دار شخص ہے اور ایسی گھٹیا حرکت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ رہا مانی، تو اس کے بارے میں بھی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بھی اس چوری میں ملوث نہیں۔ اسے یہاں ملازمت کرتے ہوئے بارہ سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ مجال ہے جو آج تک کسی قسم کی شکایت کا موقع دیا ہو۔ ہمیں تو اس پر اتنا اعتماد ہے کہ کہیں آنے جانے کی صورت میں گھر کی دیکھ بھال اس کے ذمے لگا رکھی ہے اور اس نے بھی آج تک ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ اب رہ گئے تم، تمھیں آئے ہوئے چند روز ہوئے ہیں اور ہاتھ صاف کر دیے سونے کے ہار پر۔''

''صاحب جی! آپ میری بات کا یقین کریں میں نے ہار......''

''خاموش! ایک لفظ بھی اپنی صفائی میں کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' سیٹھ نیازی نے غصے سے آنکھیں نکالیں: ''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہار میرے حوالے کر دینا ورنہ......'' سیٹھ نیازی نے جملے ادھورا چھوڑتے ہوئے منھ دوسری طرف پھیر لیا۔ بھورا آنکھوں میں آنسو لیے، دھیرے دھیرے

قدم اُٹھاتا باہر نکل گیا۔

اگلی صبح سیٹھ نیازی اخبار پڑھنے میں مصروف تھے کہ انھیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ انھوں نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر دیکھا تو سامنے جانی کھڑا نظر آیا۔

''خیر تو ہے، تم اس وقت...... اور تمھارا چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے؟'' سیٹھ نیازی پھر چونکتے ہوئے بولے۔

''وہ...... بات یہ ہے......'' جانی بولتے بولتے رک گیا۔

''کہو شاباش! کیا بات ہے، گھبراؤ نہیں۔'' سیٹھ نیازی نے دلاسا دینے والے انداز میں کہا۔

''وہ...... وہ ہار بھورے نے چوری نہیں کیا۔''

''ہائیں...... یہ کیا بات ہوئی کہ ہار بھورے نے چوری نہیں کیا۔'' یہ کہتے ہی سیٹھ

نیازی کرسی سے اُٹھے اور جانی کے قریب آ کر بولے: ''دیکھو بھائی! میں نے ویسے ہی اس پر الزام نہیں لگایا، کافی سوچ کر یہ قدم اُٹھایا ہے اور تم کیسے کہہ رہے ہو کہ بھورے نے ہار چوری نہیں کیا۔'' سیٹھ نیازی نے سوالیہ نظریں جانی پر گاڑ دیں۔

''وہ...... بات یہ ہے کہ ہار میں نے چوری کیا ہے۔''

''کیا کہا! ہار تم نے چوری کیا ہے؟ کہیں تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا؟'' سیٹھ نیازی یک دم اُچھل پڑے۔

''نہیں صاحب جی! میں پورے ہوش و حواس میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔ واقعی ہار میں نے ہی چوری کیا ہے۔ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔'' جانی نے ندامت سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''غلطی؟ جرم کہو جرم، بہت بڑا، گھناؤنا اور ناقابل معافی۔'' سیٹھ نیازی اچانک پھٹ پڑے: ''تمھیں شرم آنی چاہیے، بلکہ ڈوب کے مر جانا تھا ایسی گھٹیا حرکت کرنے سے پہلے۔ تم نے ذرہ برابر بھی میرا احساس نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے تمھیں ملازم نہیں، بلکہ بیٹوں کی طرح رکھا۔ تمھاری ہر ضرورت پوری کی، تمھارا ہر طرح خیال رکھا اور ساتھ ہی تم پر مکمل اعتماد کیا، مگر مجھے کیا پتا تھا تم آستین کے سانپ نکلو گے۔'' سیٹھ نیازی غصے سے بولتے چلے گئے۔

پھر اچانک انھیں کچھ خیال آیا، چونکتے ہوئے پوچھا: ''اور ہار کہاں ہے؟''

''وہ...... وہ میں نے سوچا پکڑا نہ جاؤں، اس لیے جتنی جلدی ہو سکے ہار کو کسی محفوظ جگہ پر ٹھکانے لگا دوں۔ بس جوں ہی یہ خیال آیا، میں نے موٹر سائیکل لی اور اپنے گھر کی طرف نکل کھڑا ہوا، لیکن راستے میں وہ کہیں گر گیا اور مجھے پتا نہ چلا۔ جب گھر پہنچ کر جیب میں ہاتھ ڈالا، تب معلوم ہوا۔ اس کے بعد ڈھونڈنے کی لاکھ کوشش کی، مگر نہ مل سکا۔'' جانی نے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

''اوہ...... یہ بہت برا ہوا۔ میں...... میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔'' سیٹھ نیازی نے

تقریباً چیختے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ٹیلے فون کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور انسپکٹر عمران جلالی کا نمبر ملانے لگے۔

دوسری طرف رابطہ ہو جانے کے بعد انھیں ہار کی چوری اور جانی کے اقرار جرم کے بارے میں بتا ڈالا۔ تھوڑی ہی دیر بعد انسپکٹر جلالی آئے اور جانی کو گرفتار کر کے لے گئے۔

ادھر سیٹھ نیازی کرسی پر ٹیک لگائے، سوچوں میں گم چھت کو گھورتے رہے اور اسی کیفیت میں نہ جانے کتنی دیر گزر گئی کہ اچانک انھیں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ انھوں نے گردن گھما کر دیکھا۔ اب ان کے سامنے مانی کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی۔

''کہو، کیسے آنا ہوا؟'' سیٹھ نیازی نے لہجے کو نرم کرنے کی بھرپور کوشش کی، مگر تھوڑی سی تلخی پھر بھی باقی رہ گئی۔

''وہ...... وہ صاحب جی! ہار جانی نے چوری نہیں کیا۔'' مانی نے ڈرتے ڈرتے جملہ مکمل کیا۔

''کیسے چوری نہیں کیا؟ وہ تو خود اعتراف کر رہا ہے۔'' سیٹھ نیازی نے مانی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''بات یہ ہے کہ اقرار جرم اس نے بھورے کو بچانے کے لیے کیا ہے۔ صاحب جی! آپ کو پتا ہے، بھورا انتہائی غریب ہے۔ نہ جانے کتنا عرصہ وہ ملازمت کے پیچھے مارا مارا پھرتا رہا۔ اس کی سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ کسی بھی طرح سے اس کی دو جوان بہنوں کی شادی ہو جائے۔ بڑی مشکل سے جا کر اسے یہاں ملازمت ملی، جس سے اسے اُمید ہوئی کہ وہ بہت جلد اپنی دونوں بہنوں کے ہاتھ پیلے کر سکے گا۔ اچانک یہ ہار کی چوری والا واقعہ پیش آ گیا، جس کی وجہ سے اس کا جیل جانا یقینی نظر آنے لگا۔ بس یہ سب کچھ جانی

سے برداشت نہ ہوا اور وہ خود قربانی کا بکرا بن گیا۔'' اتنا کہہ کر مانی خاموش ہو گیا۔

''تو اس کا مطلب ہے، ہار واقعی بھورے نے چوری کیا ہے؟'' سیٹھ نیازی بولے۔

''نہیں، یہ بات بھی نہیں۔'' مانی نے جواب دیا۔

''ہائیں...... تو پھر کون سی بات ہے؟ تم کہتے ہو جانی مجرم نہیں، بھورے نے بھی ہار نہیں چرایا تو پھر ہار آخر گیا کہاں؟ زمین نگل گئی ہے یا آسمان کھا گیا ہے؟'' سیٹھ نیازی کا غصہ دوبارہ بڑھنے لگا۔

''وہ...... بب...... بات یہ ہے کہ ہار میں نے چوری کیا ہے۔'' مانی نے ڈرتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

''اُف، میرے خدا! میں یہ کیا سن رہا ہوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ جانی کہتا ہے، ہار میں نے چرایا ہے، تم کہتے ہو، وہ بے قصور ہے، ہار میں نے چرایا ہے۔ آخر مجرم ہے کون؟'' سیٹھ نیازی جھنجلائے ہوئے انداز میں بولے۔

''صاحب جی! آپ میری بات کا اعتبار کریں۔ جانی واقعی بے قصور ہے، ہار میں نے ہی چرایا ہے۔''

''اچھا ہار تم نے چرایا ہے تو واپس کر دو۔'' سیٹھ نیازی اچانک جلدی سے بولے۔

''وہ صاحب جی! ہار اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔'' مانی نے افسردگی کے ساتھ کہا۔

''تو پھر کس کے پاس ہے؟'' سیٹھ نیازی نے ایک تیز نگاہ مانی پر ڈالی۔

''پرسوں جب میں نے آپ سے چھٹی لی تھی نا گھر جانے کی، حقیقت میں ہار کو چھپانا چاہتا تھا۔''

''مگر تم نے تو کہا تھا، تمھاری والدہ بیمار ہے۔ اس کے علاج کے سلسلے میں جا رہے ہو؟'' سیٹھ نیازی نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''وہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔'' مانی نے جواب دیا۔

''تو اس کا مطلب ہے، ہار تمھارے گھر میں ہے۔'' سیٹھ نیازی کی آنکھوں میں تھوڑی سی چمک اُبھری۔

''نہیں، یہ بات نہیں۔'' مانی بولا۔

''کیا کہا...... یہ بات بھی نہیں۔ ہار نہ اس وقت تمھارے پاس ہے، نہ تمھارے گھر میں ہے اور چرایا بھی تم نے ہے، تو گیا کہاں......؟''

''گھر جاتے ہوئے راستے میں ڈاکوؤں نے چھین لیا تھا۔'' مانی نے مختصر جواب دیا۔

سیٹھ نیازی آگ بگولا ہوگئے۔ سخت ڈانٹ ڈپٹ اور کھری کھری سنانے کے بعد انھوں نے ہاتھ فون کی طرف بڑھایا اور انسپکٹر جلالی کے نمبر ملانے کے بعد ان سے کہا: ''جانی کو چھوڑ دو۔ وہ بے قصور ہے۔ یہاں آکر مانی کو لے جاؤ۔'' یہ کہہ کر انھوں نے فون بند کر دیا اور مانی کی طرف دیکھتے ہوئے گرجے اور ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ انھیں زمین گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ قریب تھا کہ وہ اپنا سر دیوار سے ٹکرا دیں، اچانک ان کے موبائل فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ اسکرین پر لکھے ہوئے نمبر پر نظر ڈالی۔ فون ان کی بیگم کا تھا، جو تین دن پہلے بچوں سمیت اپنے بھائی کی شادی کے سلسلے میں دوسرے شہر جا چکی تھیں۔ انھوں نے جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اوسان بحال کیے، غصے پر قابو پایا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بیگم کو ہار کی چوری کا علم نہ ہو، کیوں کہ وہ دل کی مریضہ تھیں۔ ہار کی چوری کو بھی وہ دل پر لے لیتیں، جس سے ان کی طبیعت کے بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بیگم سے اس معاملے میں ابھی تک بات تک نہیں کی تھی۔

''ہاں بھئی، خیریت؟'' سیٹھ نیازی نے لہجے کو انتہائی نرم کرتے ہوئے کہا۔

''وہ مجھ سے ایک بھول ہوگئی ہے۔'' دوسری طرف سے ان کی بیگم کی آواز سنائی دی۔

''بھول؟ کون سی بھول؟'' سیٹھ نیازی جلدی سے بولے۔

''تین دن پہلے جب میں شادی پر آئی تو ساتھ ہی سونے کا ہار بھی اُٹھا لائی، شادی پر پہننے کے لیے۔ سوچا، جاتے وقت بتاتی جاؤں گی، مگر ذہن سے نکل گیا اور یہاں ملنے ملانے میں ایسے لگی کہ دوبارہ اس کا خیال تک نہ آیا اور آج شادی کی تیاری شروع کی، تب یاد آیا۔ سوچا، بتادوں، کہیں پریشان نہ ہوں۔''

''اوہ......اوہ......'' سیٹھ نیازی کے منھ سے بس یہ دو لفظ ہی نکل سکے اور اس کا سر جھکتا چلا گیا۔ ☆

ہنسی گھر

ایک آدمی نے کپڑے کی دکان کھولی، اُسی میں مکان کی خرید و فروخت کا کام بھی شروع کر دیا، ساتھ ہی پکی پکائی روٹیاں بھی رکھ لیں اور اس دکان کا نام رکھا:
''روٹی، کپڑا اور مکان۔''

مرسلہ: محمد افضل اکرم، جگہ نا معلوم

ہیڈ ماسٹر صاحب نے شاگرد کو شاباشی دیتے ہوئے کہا: ''مجھے اُمید نہیں تھی کہ تم جیسا نالائق لڑکا امتحان میں اول آ سکتا ہے۔ اگر تم اسی طرح محنت کرتے رہے تو ان شاء اللہ اگلی کلاس میں بھی اول آؤ گے۔''

شاگرد نے سر جھکا کر جواب دیا: ''اگر آپ بھی امتحانی پرچے ابا جان کے پریس سے چھپواتے رہے تو۔''

مرسلہ: واجد نگینوی، کراچی

کرن: ''یہ بتاؤ کہ امتحان کیوں ہوتے ہیں؟''

کنول: ''اس لیے کہ جو سوال ہماری استانیوں کو نہیں آتے، وہ ہم سے پوچھ لیتی ہیں۔''

مرسلہ: پارس فدا حسین کیریو، کراچی

شاگرد: ''سر! کیا کسی کو ایسے کام پر سزا مل سکتی ہے، جو اس نے نہ کیا ہو؟''

استاد: ''نہیں!''

شاگرد: ''میں نے آج ہوم ورک نہیں کیا۔''

مرسلہ: شہر یار گوندل، بہاول نگر

شوہر اپنی بیوی سے: ''آج کھانا تمھاری ماں نے بنایا ہے کیا؟''

بیوی خوش ہو کر بولی: ''ہاں، مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

شوہر: ''پہلے کھانے میں سے کالے بال نکلتے تھے، آج سفید بال نکلا ہے۔''

مرسلہ: سدرہ بنیامین آرائیں، شہداد پور

ایک بچہ گھر سے باہر کھیل رہا تھا۔ پڑوسی کا کتا آیا اور اس کے پاؤں چاٹنے لگا۔ بچہ روتے ہوئے گھر آیا تو ماں نے پوچھا: ''کیا ہوا؟ کیا پڑوسی کے کتے نے کاٹ لیا؟''

بچہ: ''ابھی تو چکھ کر گیا ہے، کاٹنے تو بعد میں آئے گا۔''

مرسلہ: شہور سخاوت، حیدر آباد

ایک ہیلی کاپٹر شہر کے اوپر پرواز کرتے ہوئے بے شمار کاغذ کی پرچیاں نیچے پھینک رہا تھا۔ ایک شخص نے پرچی اُٹھا کر پڑھی تو لکھا تھا: ''اپنے شہر کو صاف رکھیں۔ جگہ جگہ کاغذ وغیرہ پھینک کر گندگی نہ کریں۔ فقط: شہری انتظامیہ۔''

مرسلہ: سید اطیب علی، کراچی

استاد: ''کسی چار پاؤں والے جانور کا نام بتاؤ، جس کے سینگ نہیں ہوتے۔''

شاگرد: ''گدھا۔''

استاد: ''ایک اور جانور کا نام بتاؤ۔''

شاگرد: ''ایک اور گدھا۔''

مرسلہ: سیدہ ایمن اسد، کراچی

ایک کنجوس نے اپنے مہمان سے پوچھا: ''اور سناؤ، ٹھنڈا پیو گے یا گرم؟''

مہمان: ''ٹھنڈا اور گرم دونوں۔''

کنجوس: ''بیگم! ایک گلاس پانی فریج سے اور دوسرا گلاس گیزر سے بھر کر لے آؤ۔''

مرسلہ: حافظ حامد عبدالباقی، حویلیاں

جنگل میں دو شکاری شکار کھیلنے گئے۔ ایک شکاری نے شیر کو دیکھتے ہی گولیاں چلانی شروع کر دیں، مگر شیر کو ایک گولی بھی نہ لگی۔ پہلے شکاری نے پوچھا: ''کیا تمھارا نشانہ ٹھیک نہیں ہے؟''

دوسرا شکاری بولا: ''نہیں، یہ بات نہیں۔ دراصل شیر ٹھیک جگہ پر نہیں کھڑا تھا۔''

مرسلہ: احسن جاوید، دہلی کالونی

بچہ دادی سے: ''یہ میری ریوڑیاں آپ تھوڑی دیر کے لیے سنبھال کر رکھ لیں۔''

دادی: ''اگر میں کھا گئی تو......''

بچہ: ''نہیں ایسا بالکل نہیں ہو سکتا۔''

دادی: ''کیوں؟''

بچہ: ''اس لیے کہ میں نے آپ کے نقلی دانت الماری میں چھپا دیے ہیں۔''

مرسلہ: روبینہ ناز، کراچی

مالک نے نوکر سے کہا: ''میں نے تم سے کہا تھا کہ چاول، مرغی کے بچے کو کھلانا، تم بلی کو کھلا رہے ہو؟''

نوکر بولا: ''بلی کو اس لیے چاول کھلا رہا ہوں کہ مرغی کا بچہ بلی کے پیٹ میں چلا گیا ہے۔''

مرسلہ: مریم جان بلوچ، تربت

😊 ایک شیر جنگل میں سو رہا تھا کہ ایک بندر ادھر آ نکلا۔ شیر کو سوتا دیکھ کر بندر کو شرارت سوجھی اور ایک تھپڑ مار کر بھاگ نکلا۔ شیر کی آنکھ کھل گئی اور وہ بندر کے پیچھے بھاگا۔ بندر بھاگتا ہوا ایک پارک میں گھس گیا۔ وہاں لوگ بنچوں پر بیٹھے اخبار پڑھنے میں مشغول تھے۔ بندر نے بھی ایک اخبار پکڑا اور ان کے درمیان میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں شیر ہانپتا ہوا وہاں پہنچا اور بندر کے پاس کھڑے ہو کر کہا: ''تم نے یہاں کوئی بندر دیکھا ہے؟''

بندر نے اخبار کے پیچھے سے کہا: ''تم اس بندر کے بارے میں تو نہیں پوچھ رہے، جو شیر کو تھپڑ مار کر بھاگا ہے۔''

یہ سن کر شیر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس نے گھبراہٹ کے عالم میں کہا: ''کیا یہ خبر اخبار میں شائع ہو گئی ہے؟''

مرسلہ: تحریم خان، نارتھ کراچی

😊 سعد: ''عامر! تم انگریزی جانتے ہو؟''

عامر: ''ہاں، اگر اردو میں بولی جائے۔''

مرسلہ: سمیع اللہ، بفرزون

😊 ایک گاہک مچھلی والے کے پاس گیا اور بولا: ''کیا مچھلی تازہ ہے؟''

دکان دار نے کہا: ''جی ہاں! تازہ ہے، میں آج ہی لایا ہوں۔''

گاہک نے مچھلی کو اُٹھا کر کان سے لگایا اور رکھ دیا۔

دکان دار نے پوچھا: ''آپ مچھلی کو کان کے ساتھ لگا کر کیا بات کر رہے تھے؟''

گاہک نے کہا: ''میں اس سے پوچھ رہا تھا کہ کل میرا بچہ سمندر میں گر گیا تھا۔ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟''

دکان دار نے کہا: ''تو مچھلی نے کیا کہا؟''

گاہک بولا: ''مچھلی کہہ رہی ہے کہ میں خود ایک ہفتے سے یہاں پڑی ہوں۔''

مرسلہ: افشاں ناز، لیاقت آباد

😊 بھکاری نے راہ گیر سے کہا: ''صاحب! میں بھوکا ہوں۔ ایک روپیہ دے کر مجھ غریب کی مدد کریں۔''

راہ گیر: ''بھائی! معاف کرنا، میں بہرہ ہوں، ورنہ ایک چھوڑ، دس روپے دیتا۔''

مرسلہ: محمد نواز شریف راجپوت، ہوسٹری

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

ظہیر احمد، اٹک
یاسر خلیل احمد بلوچ، مکران
شہریار گوندل، ہارون آباد
محمد حمزہ اشرفی، کراچی
اویس احمد، کراچی
وریشا رفیق، کراچی
سمیرا کلثوم، لاہور
عینا غوری، کراچی
اُمیمہ ضیاء، کینٹ

دیس ہمارا پاکستان

مرسلہ: ظہیر احمد، اٹک

دیس ہمارا ہم کو پیارا
ہم سب کی آنکھوں کا تارا
اپنے دیس پہ ہم قربان
دیس ہمارا پاکستان
آزادی ہے شان ہماری
آزادی ہے آن ہماری
آزادی اپنا ایمان
دیس ہمارا پاکستان
پاکستان بنایا جس نے
اُجڑا دیس بسایا جس نے
اس کے نام پہ ہم قربان
دیس ہمارا پاکستان

کام یابی

شہریار گوندل، ہارون آباد

ایک دفعہ اُمید نے اپنی سہیلی، کام یابی سے ملنا چاہا، جو محنت نامی ایک پہاڑی پر رہتی تھی۔ راستے میں ایک قلعہ شک آتا تھا، جس میں مایوسی نام کی جادوگرنی رہتی تھی۔ مایوسی نے اُمید کو اس قلعے سے گزرتے دیکھا تو اپنے پہرے دار وہم کو حکم دیا کہ وہ اُمید کو اس قلعے میں بند کر دے۔ قلعے میں اُمید سے پریشانی اور خود کشی ملنے آئیں، لیکن فوراً وہاں اُمید کا بھائی حوصلہ پہنچ گیا اور انھیں اُمید سے ملنے سے روک دیا۔ اُمید نے حوصلے سے پوچھا کہ وہ اس

قلعے سے کیسے نکلے؟ حوصلے نے کہا کہ گھبراؤ نہیں، میرے پاس میرے اچھے دوست عزم کی دی ہوئی چابی ہے، جس کی وجہ سے ہم اس قلعے سے نکل جائیں گے۔ چابی لگتے ہی دروازہ کھل گیا۔ انھیں باہر نکلتے دیکھ کر پریشانی اور خودکشی بھاگ گئیں۔ اُمید اپنے بھائی حوصلہ کے ساتھ کام یابی کے گھر پہنچی۔

اُمید نے کام یابی سے راستے کی مشکلات کا ذکر کیا تو کام یابی نے کہا کہ جب بھی تمھارا اس راستے سے گزر ہو تو اپنے بھائیوں حوصلہ اور بہادری کو ساتھ ضرور لے کر آنا، ان دونوں کے ہوتے ہوئے تمھیں کوئی نہیں روک سکتا۔

بے وفا لومڑی

اویس احمد، کراچی

ایک دفعہ لومڑی اور گدھے میں دوستی ہوگئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر جان دیتے تھے۔ ان دونوں میں یہ طے پایا کہ جس پر بھی مصیبت آئے گی دوسرا اس کی مدد کرے گا اور اس کا کسی صورت بھی ساتھ نہیں چھوڑے گا۔

ایک دن لومڑی اور گدھا جنگل میں سیر کر رہے تھے کہ اچانک سامنے سے شیر آ گیا۔ لومڑی سمجھ گئی کہ اب جان بچا کر بھاگنا بڑا مشکل ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ گدھے سے بولی کہ جلدی کرو سامنے گڑھے میں کود جاؤ، کیوں کہ سامنے سے شیر آ رہا ہے جو بہت زیادہ خوں خوار ہے۔

گدھے نے اس کی بات مان لی اور جلدی سے گڑھے میں جا کر چھپ گیا۔ جب گدھا نظروں سے اوجھل ہو گیا تو لومڑی جلدی سے شیر کے پاس گئی اور کہا: ''اگر آپ میری جان بخش دیں تو میں آپ کو بتاتی ہوں کہ گدھا کہاں ہے۔''

شیر نے لومڑی کی طرف دیکھا اور کہا کہ بتاؤ، تو لومڑی شیر کو اس گڑھے کی طرف لے گئی، جس میں گدھا چھپا ہوا تھا۔ جب شیر نے گدھے کو گڑھے میں دیکھا تو سوچا اب یہ تو کہیں نہیں جا سکتا، کیوں نہ پہلے لومڑی کو کھا لوں۔ اگر میں پہلے گدھے کی طرف گیا

تو یہ بھاگ جائے گی۔ میں اس کی باتوں میں کیوں آؤں۔

یہ سوچ کر شیر نے اچانک لومڑی پر حملہ کر دیا اور لومڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اس طرح لومڑی کو بے وفائی کی سزا مل گئی۔

غلط سوچ

سمیرا کلثوم، لاہور

یوں تو شاہ زیب بہت اچھا طالب علم تھا، لیکن اس کی ایک بُری عادت تھی کہ وہ صرف پڑھے لکھے لوگوں کو ہی اچھا انسان سمجھتا تھا۔ وہ ریڑھی والوں، خاکروبوں، مالیوں، پلمبروں اور دیگر پیشوں سے وابستہ لوگوں کو بہت حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ سوچتا، ان لوگوں کو پڑھنے کا شوق ہی نہیں ہوگا۔ اگر یہ پڑھ لکھ جاتے تو یقیناً زندگی میں کوئی اعلا مقام حاصل کرتے۔ وہ یہ بات سمجھتا ہی نہیں تھا کہ بے شک علم بہت بڑی دولت ہے، لیکن معاشرے میں مختلف پیشوں سے وابستہ لوگ جو محنت کر کے اپنی روزی کماتے ہیں، وہ بھی عزت کے حق دار ہیں۔

دن یونہی گزرتے رہے، یہاں تک کہ تعلیمی اداروں کی چھٹیاں ہوگئیں۔ گرمی بہت پڑ رہی تھی۔ اوپر سے لوڈ شیڈنگ نے بُرا حال کر رکھا تھا۔

دوپہر کو چھوٹی پھوپی آ گئی تھیں۔

شاہ زیب بہت خوش تھا۔ اسے پھوپی سے بہت پیار تھا۔ پھوپی کے دونوں بچے چھے سالہ احسن اور چار سالہ ارم بہت پیارے تھے، لیکن ضدی اور شریر بھی بہت تھے۔ مجال ہے جو اتنی شدید گرمی میں بھی دوپہر کو سونے کا نام لیا ہو۔ ان کی وجہ سے گھر میں کوئی بھی نہ سو سکا۔ چار بجے احسن نے ضد شروع کر دی کہ وہ آئس کریم کھائے گا۔ ارم رونے لگی کہ وہ پاپ کارن بھی کھائے گی۔ پھوپی نے شاہ زیب سے کہا کہ وہ مارکیٹ سے بچوں کو چیزیں لا دے۔

ناچار شاہ زیب مارکیٹ جانے کے نکلا۔ آج گرمی بھی بہت شدید تھی۔ سہ پہر ہونے آئی تھی، لیکن لوگ اب بھی گھروں

میں دبکے ہوئے تھے۔ شاہ زیب جانا تو نہ چاہتا تھا، لیکن پھوپی کی وجہ سے مجبور تھا۔ مارکیٹ پہنچتے پہنچتے وہ پسینے میں نہا چکا تھا۔ اس نے پاپ کارن لیے، پھر آئس کریم خریدی اور تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔ ابھی اس نے سڑک عبور کی ہی تھی کہ اس کی چپل ٹوٹ گئی۔

''او...... میرے خدا! یہ کیا ہوگیا۔''

وہ سٹپٹا گیا۔ چپل کو پاؤں میں اٹکانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ گویا لنگڑا لنگڑا کر چل رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مین روڈ کے اختتام پر ایک موچی بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ اس کی چپل مرمت کردے گا، لیکن یہ کیا......؟ موچی آج غیر حاضر تھا۔ درخت کے نیچے جہاں وہ بیٹھا کرتا تھا، وہ جگہ سونی پڑی تھی۔

اوہ میرے خدا! اب کیا کروں۔ لگتا ہے، آج مجھے ان لوگوں کو حقیر سمجھنے کی سزا مل رہی ہے۔ وہ افسردگی سے سوچنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ گھر کی جانب چلنے لگا۔ آج اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ لوگوں کی زندگی میں ایک موچی کی کیا اہمیت ہے اور اگر سبزی والا، آئس کریم والا اور پاپ کارن والا گلی میں آتا تو اسے اتنی دور نہ آنا پڑتا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ سے معافی مانگ رہا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو بچے اسے دیکھ کر کھل اُٹھے، لیکن آئس کریم کو پانی بنا دیکھ کر دونوں پھر رونے لگے۔ شاہ زیب نے بڑی مشکل سے انھیں چپ کرایا گیا۔

رات کو لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے شاہ زیب نے چھت پر سونے کا فیصلہ کیا۔ وہ چارپائی پر لیٹ کر تاروں بھرے آسمان کو تک رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے رویے کی معافی مانگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں کبھی سالانہ پیپر دینے کالج جا رہا ہوں اور راستے میں موٹر سائیکل پنکچر ہو جائے اور پنکچر والا چھٹی پر ہو، تو کیا میں پیپر دے سکوں گا؟ یہ سوچ کر ہی شاہ زیب کو جھرجھری آگئی۔

''مجھے معاف کردیں اللہ پاک!''

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اٹھارہ آدمیوں کی فوج

یاسر خلیل احمد بلوچ، مکران

محمد بن بختیار خلجی ہندستان کے پہلے مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک کا ایک سردار تھا۔ محمد بن بختیار کے کارنامے افسانوں سے بھی زیادہ عجیب ہیں۔ یہ ایک معمولی آدمی تھا۔ پہلے اس نے غزنی میں بطور سپاہی بھرتی ہونے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا پھر دہلی پہنچا۔ یہاں بھی اسے کوئی جگہ نہ مل سکی تو بدایوں کی طرف چلا گیا۔ اسلامی حکومت کی مشرقی سرحد پر تھوڑی سی زمین مل گئی اور اس نے اپنے طور پر کچھ سوار بھرتی کرلیے۔

۱۱۹۷ء میں دو سو سواروں کو لے کر اس نے بہار پر حملہ کردیا اور تھوڑے ہی دنوں میں پورے علاقے پر قابض ہوگیا۔ قطب الدین ایبک اس زمانے میں بادشاہ نہیں بنا تھا، بلکہ سلطان محمد غوری کی جانب سے نائب السلطنت تھا۔ اسے محمد بن بختیار کے اس کارنامے کا علم ہوا تو اس نے محمد بن بختیار کو فتح کیے ہوئے علاقے کا حاکم بنادیا۔

اب محمد بن بختیار کو اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کا پورا موقع ملا۔ اس نے ایک فوج تیار کی اور بنگال کے راجا رائے لکشمن سین کے دارالحکومت ''ندیا'' کا رخ کیا۔ اس کی شہرت پہلے ہی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس تیزی سے چلا کہ ساری فوج پیچھے رہ گئی۔ صرف اٹھارہ آدمی ساتھ تھے۔ اسی طرح وہ شہر میں راجا کے قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ پہنچتے ہی پہرے داروں پر حملہ کردیا اور فوج کا بھی انتظار نہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ ساتھیوں کی کم تعداد کا خیال کوئی نہ کرے گا۔ سب یہی سمجھیں گے کہ بہت بڑی فوج لے کر آیا ہے، اسی لیے تو یہ سب بہادری سے لڑ رہے ہیں۔ اس کا یہ خیال بالکل درست نکلا۔

راجا اس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ باہر سے لوگوں کی چیخ و پکار کان میں پہنچی تو حواس باختہ ہو کر محل کے پچھلے دروازے سے ننگے پاؤں بھاگا اور ''سنار گاؤں''

پہنچ کر دم لیا، جو کسی زمانے میں ایک بڑا شہر تھا اور اب بھی خاصا مشہور ہے۔ ڈھاکا سے تقریباً تیرہ میل کے فاصلے پر ہے۔

تھوڑے ہی دنوں میں محمد بن بختیار صوبۂ بہار کی طرح پورے بنگال پر قابض ہوگیا اور اپنے کارناموں کی ایک ایسی یادگار چھوڑ گیا، جو کم ہی لوگ انجام دے سکے ہیں۔

خواہش اور خیانت

محمد حمزہ اشرفی، کراچی

سلمان نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی۔ سلمان کے والد ایک معمولی درجے کے سرکاری ملازم تھے۔ انھوں نے ہمیشہ سلمان کو حلال کھانے اور حرام سے بچنے کی تلقین کی تھی۔ وہ اسے ایک اچھے اسکول میں پڑھا رہے تھے۔ سلمان اب نویں جماعت میں تھا۔ اس نے آج تک کبھی والدین سے ایسی فرمائش نہیں کی تھی، جس سے ان کو پریشانی ہو یا ان کی قوتِ خرید سے باہر ہو۔

سلمان کی عمر اب چودہ سال ہو چکی تھی۔ اس کی جماعت میں بہت سے لڑکوں کے پاس موبائل فون تھے۔ اس نے اپنی ماں سے موبائل فون کا ذکر کیا، لیکن اس کی ماں نے کہا: ''آج کل منہگائی نے سب کی کمر توڑ رکھی ہے۔ گھر کا خرچ ہی بڑی مشکل سے پورا ہو رہا ہے۔ اس حالت میں تمھیں موبائل کہاں سے دلاؤں۔''

سلمان ان کے سامنے تو چپ ہو گیا، لیکن رفتہ رفتہ اس کے دل میں موبائل کی خواہش بڑھ رہی تھی۔ اس کی امی جو پیسے اسے سودا سلف لانے کے لیے دیتیں، اس میں سے وہ روزانہ پانچ، دس رپے بچا کر رکھ لیتا تھا۔ اس کے والدین اس پر بھروسا کرتے تھے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا بیٹا ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ اسی طرح سلمان کے پاس تقریباً ایک ہزار رپے جمع ہو گئے۔

ایک دن وہ جمعے کی نماز پڑھنے گیا تو امام صاحب خیانت کے موضوع پر وعظ کر رہے تھے۔ ان کے بیان نے سلمان کے دل پر بہت اثر کیا۔ وہ نماز پڑھ کر گھر آیا اور امی کو سب کچھ بتا دیا کہ اس کے پاس ہزار رپے کس طرح جمع ہوئے ہیں۔ اس کی امی نے ڈانٹا، پھر معاف کر دیا۔ اس کے ابو کو پتا چلا تو پہلے تو بہت غصہ ہوئے، پھر انھوں نے بھی سلمان کو معاف کر دیا۔ اس رات سلمان بہت رویا۔ جب وہ صبح اُٹھا تو اس کے بستر پر ایک ڈبا نظر آیا۔ ڈبا کھول کر دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ اس میں ایک خوب صورت موبائل فون تھا۔ وہ بھاگا بھاگا امی ابو کے پاس پہنچا۔

''کیسا لگا تمھیں تحفہ؟'' اس کے ابو نے پوچھا۔

''بہت اچھا، آپ کا بہت شکریہ پاپا! آپ اس دنیا کے سب سے اچھے پاپا ہیں۔''

سلمان نے عہد کر لیا تھا کہ اب چاہے کچھ بھی ہو جائے، زندگی بھر امانت میں خیانت نہیں کرے گا۔

مزدور بچے

وریشا رفیق، کراچی

معصوم اور چھوٹے بچوں سے مزدوری کروانا، ان سے پھول فروخت کروانا، گاڑیاں صاف کروانا، کارخانوں میں ان سے قالین بُنوانا جرم ہے۔ اکثر ہوٹلوں میں ایک گندا سا رومال کاندھے پر ڈالے، میلے کچیلے کپڑے پہنے ایک ''چھوٹا'' گاہکوں کے لیے میز صاف کرتا نظر آتا ہے۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو استاد کی ڈانٹ پھٹکار سننا بھی اس کا فرض ہے۔ بہت سے سنگ دل لوگ معصوم بچوں کو معذور بنا کر ان سے بھیک بھی منگواتے ہیں۔ یہ سب کچھ اگر چہ ہمارے ملک میں قانونی جرم ہے، لیکن اس کے باوجود اس طرف کبھی کسی افسر نے سنجیدگی سے توجہ نہیں کی اور اگر کوئی اس طرف توجہ دیتا بھی ہے تو صرف ترس کھانے اور معاشرے کو بُرا بھلا کہنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتا۔

یہ سلوک ان معصوموں کے ساتھ کیا جاتا ہے، جنھیں قائداعظم نے مستقبل کے معمار کہا ہے اور جو اس ملک کا مستقبل اور قیمتی اثاثہ ہیں۔

ان معصوم بچوں میں سے اگر صرف

ایک بچے کی کفالت کی ذمے داری ایک امیر خاندان لے لے تو ان تمام مزدور بچوں کو سہارا مل جائے گا۔ وہ لوگ جوان بچوں سے مزدوری کرواتے ہیں، انھیں سخت سزا دی جائے، تاکہ کوئی اس ملک کے معماروں پر ظلم نہ کرسکے اور یہ بچے بھی معاشرے کے معزز شہری بن سکیں۔

میری پسندیدہ کتاب

عینا غوری، کراچی

کتاب انسان کی سب سے اچھی دوست ہے۔ جو انسان کتابوں سے دوستی کرتا ہے، وہ کبھی تنہا نہیں ہوتا۔ کتابیں پڑھنا انسان کے لیے ضروری ہے، کیوں کہ اس سے ہمیں الفاظ کے استعمال، لکھنے کا طریقہ اور قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان چیزوں سے ہمیں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہم اچھے مضمون اور کہانیاں لکھ سکتے ہیں۔ میری پسندیدہ کتاب کا نام ''دادا جان کی سبق آموز کہانیاں'' ہے۔ اس کتاب کے مصنف شاہد علی اور مصور محمد رضا ہیں۔

مجھے یہ کتاب اس لیے پسند ہے کہ اس میں کئی حقیقی واقعات ہیں اور بہت اچھے محاوروں کا استعمال ہوا ہے جیسے ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' اور ''بندر کیا جانے ادرک کا مزہ'' چار سو پچاس صفحات پر مشتمل اس کتاب کا سرورق تتلی کے حسین پَروں کی طرح رنگ برنگا ہے۔ یہ کتاب میری دادی نے مجھے سال گرہ کے موقع پر دی تھی۔ اس میں بہت ساری سبق آموز تحریریں ہیں اور میں یہ رات کو سوتے وقت پڑھتی ہوں۔ اس کتاب کے مطالعے سے مجھے پتا چلا کہ غریب لوگ اپنی ضروریات کیسے پوری کرتے ہیں۔ اس کے سرورق پر بنی تصویر میں دادا جان بچوں کو کہانیاں سنا رہے ہیں۔ اس کتاب کی ایک کہانی میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو بُرے وقت میں کام آئے، وہی دوستی کے قابل ہے۔ اچھے وقت میں تو ہر کوئی قریب ہوتا ہے۔ اس میں ''پاکستان'' نام کا ایک مضمون ہے، جس میں یہ شعر لکھا ہے:

بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے

اس کے آخری صفحے پر مشکل الفاظ کے معنی لکھے ہیں۔ اس کتاب میں تقریباً چالیس کہانیاں ہیں۔

مجھے یہ کتاب بہت پسند ہے۔ میرا یہ فرض ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں۔ کبھی کبھار میں اس سے کہانیاں پڑھ کر اپنی چھوٹی بہنوں کو بھی سناتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ جو انسان کتابوں کا احترام کرتے ہیں، وہ ہمیشہ کام یاب ہوتے ہیں۔

امتحان کی تیاری

اُمیمہ ضیاء، کینٹ

امتحان سے مراد کسی طالب علم کی قابلیت کا جائزہ لینا اور جانچنا ہے، پھر اس کے نتائج دے کر طالب علم کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ کرنا ہے۔ طالب علموں کی زندگی میں امتحان کا زمانہ ایک بہت کڑا وقت ثابت ہوتا ہے۔ سب سے مشکل وقت امتحان کی تیاری کا ہوتا ہے۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ پہلے سے لائحہ عمل ترتیب دے لیں اور ہر مضمون کو باقاعدگی سے تیار کریں۔ تمام مضامین کو برابر وقت میں بانٹ لیں اور روزانہ کی بنیاد پر تیاری کریں۔ ہر طالب علم کو مشکل مضامین کی زیادہ سے زیادہ مشق کرنی چاہیے، جیسے ریاضی، طبیعیات وغیرہ۔ طالب علم کے لیے نوٹس بنانا مفید عمل ہے۔ اس سے اس کا قیمتی وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ تحریری مہارت یعنی بار بار لکھنے سے مضامین یاد ہو جاتے ہیں۔ اگر امتحانوں میں بہت وقت ہو یا پھر پرچوں کے درمیان میں چھٹیاں مل جائیں تو ہر مضمون کی امتحانی تاریخ کے لحاظ سے اُس پر وقت صرف کرنا چاہیے۔ کوئی بھی اچھا طالب علم اپنی تعلیمی دور میں غیر نصابی کتب کے مطالعے کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ تقریباً ہر مضمون میں طالب علموں کو اضافی معلومات درکار ہوتی ہے، جو غیر نصابی کتب کے مطالعے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہر طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنی بہترین اور ہر ممکن کوشش کرکے تیاری کرے۔ ☆

اگست کے اہم واقعات

سیدہ مبین فاطمہ عابدی

- ۴-اگست ۱۹۵۴ء کو حفیظ جالندھری کا لکھا ہوا قومی ترانہ حکومتِ پاکستان نے منظور کیا۔
- ۵-اگست ۱۹۷۶ء کو محمد بن قاسم پورٹ کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔
- ۷-اگست ۱۹۵۵ء کو سکندر مرزا، پاکستان کے قائم مقام گورنر جنرل بنے۔
- ۸-اگست ۱۹۵۵ء کو حکومت نے یومِ پاکستان کی تقریب میں لہرائے جانے کے لیے پرچم کا سائز مقرر کیا۔
- ۹-اگست ۱۹۸۰ء کو سابق صدر جنرل محمد یحییٰ کا انتقال ہوا۔
- ۱۰-اگست ۱۹۷۳ء کو چودھری فضل الٰہی پاکستان کے صدر مقرر ہوئے۔
- ۱۱-اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دستور ساز اسمبلی نے قومی پرچم کا ڈیزائن منظور کیا۔
- ۱۲-اگست ۱۹۷۳ء کو ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیرِ اعظم بنے۔
- ۱۳-اگست ۱۹۵۴ء کو ریڈیو پاکستان سے پہلی بار قومی ترانہ نشر کیا گیا۔
- ۱۴-اگست ۱۹۷۳ء کو پاکستان میں تیسرا آئین نافذ ہوا۔
- ۱۵-اگست ۱۹۴۷ء کو لیاقت علی خاں پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم بنے۔
- ۱۶-اگست ۱۹۶۱ء کو بابائے اردو مولوی عبدالحق نے وفات پائی۔
- ۱۷-اگست ۱۹۸۸ء کو پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق کا فضائی حادثے میں انتقال ہوا۔
- ۱۸-اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان میں پہلی عید الفطر کی نماز ادا کی گئی۔
- ۲۰-اگست ۱۹۷۱ء کو پائلٹ راشد منہاس شہید ہوئے۔
- ۲۱-اگست ۱۹۴۹ء کو پاکستان کے قومی ترانے کی دھن منظور کی گئی۔
- ۲۹-اگست ۱۹۷۱ء کو پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز نشانِ حیدر راشد منہاس شہید کو دینے کا اعلان کیا گیا۔

☆

آدھی ملاقات

بزرگوں کے تاثرات

جن بزرگوں اور بڑوں نے بچپن میں ہمدرد نونہال پڑھا تھا،
اب نونہال ان کے پُر محبت خیالات پڑھیں۔ ہم ان شخصیات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وقار احمد زبیری صاحب، کراچی

میں نے خاص نمبر حسب عادت تقریباً پورا پڑھ لیا ہے۔ آپ کی محنت کی داد دینا چاہتا ہوں کہ ایک طویل عرصے سے شائع ہونے کے باوجود اس کا معیار کم نہیں، بلکہ بہتر سے بہتر ہو رہا ہے۔ آپ نے خوب صورت رنگا رنگ پھولوں کا گلدستہ سجایا ہے جو خوب نہیں، بہت خوب ہے۔ اس وقت درختوں کی حفاظت سنگین مسئلہ بنتا جا رہا ہے آپ نے ''گلاب بادشاہ کا فیصلہ'' اور ''سبز انیم'' شائع کر کے بچوں کو درختوں کی اہمیت وافادیت سے خوب صورتی سے آگاہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سہیل برکاتی کا مضمون ''زمین کی کہانی'' محمد احمد سبزواری کا مضمون ''سکوں کی کہانی'' اور آپ کا مضمون ''وقت کی اہمیت'' بہت اہم ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی آسان اور رواں زبان ہے۔ سعدیہ راشد کا مضمون بھی اہم ہے کہ بڑے اپنے گھر میں بھی بڑے ہی رہتے ہیں طمطراق سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مشتاق احمد قریشی (ماہ نامہ نئے اُفق)

ہمدرد نونہال خاص نمبر نے مجھے اپنے لڑکپن میں پہنچا دیا۔ لڑکپن میں غیر نصابی کتابوں میں سب سے پہلی ملاقات ہمدرد نونہال سے ہی ہوئی تھی اور پھر یہ ظالم ہاتھ سے چھوٹتا ہی نہیں۔ وہ بھی کیا دن تھے...... ! پہلے خود پڑھتا رہا، پھر اپنے بچوں کو پڑھوایا، اب پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں اس کی اسیر ہیں۔ میرے یہاں تو ہمدرد نونہال کا سفر کئی نسلوں سے جاری ہے۔

کنور مومن خان مومنؔ (مدیر اعلا ''آہنگ'' کراچی)

یقیناً یہ امر خوش آیند ہے کہ ساٹھ سال سے ''ہمدرد نونہال'' بچوں کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ تواتر سے شائع ہونے والا یہ رسالہ بچے ہی نہیں، بلکہ بڑے بھی انتہائی ذوق شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس رسالے کا خاص نمبر پڑھا تو محسوس ہوا کہ گزشتہ برسوں کی نسبت اس سال زیادہ ہی محنت اور توجہ سے انوکھی کہانیاں، مزے دار معلوماتی اور نصیحت آموز مضامین، بچپن کی یادیں، درس وتدریس، سنسنی خیز ناول ہی نہیں ننھے شاعروں کی نظمیں، پسندیدہ اشعار، لطائف بھی شاملِ اشاعت ہیں۔ ہمدرد نونہال کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اردو زبان کی درست ترقی وترویج کے لیے نونہال لغت رسالے میں قندیل کی مانند علم وآگہی کی روشنی فراہم کر رہا ہے۔

ضیاء الحسن ضیا (ممتاز شاعر)

❁ شکریہ، مہربانی۔ جس قدر خاص نمبر لاجواب ہے، اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ ہمدرد نونہال ایک دبستان کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں بھی اس دبستان کا تربیت یافتہ ادنا طالب علم ہوں۔ اس میں جو مضامین شائع ہوتے ہیں، ان میں اصلاح اور فلاح دونوں ہی پہلو پائے جاتے ہیں۔ نونہال شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کی یادگار ہے۔ حکیم صاحب نے ہمیشہ بچوں کی تعلیم کے ساتھ تربیت پر زور دیا ہے۔ انھوں نے اپنی امانت (ہمدرد نونہال) محترم مسعود احمد برکاتی جیسے اپنے جانشین کو اول روز سے ہی سونپ دی اور قارئین نے دیکھا کہ برکاتی صاحب جیسے دیانت دار اور فرض شناس مدیر نے حکیم صاحب کی طرح وقت کی پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ ساٹھ سال سے نونہال کو جاری و ساری رکھا، آج خدا کے فضل سے ساٹھ برسوں سے وہ نونہال کے مدیر ہیں۔ یہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ یہاں پر اللہ کا خاص فضل ہے۔

عبدالرؤف صدیقی، کراچی

❁ واقعی ہمدرد نونہال آج کی نئی نسل اور خصوصاً نوجوانوں کی ذہنی تربیت اور صحت مند معاشرے کی ترویج میں ایک موثر کردار ادا کر رہا ہے۔

اُمِ حافظہ عائشہ سمیع، کراچی

❁ سب سے پہلے تو آپ کو بہت بہت مبارک ہو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ۔ خاص نمبر بہت زبردست، بہت اعلا، بہت عمدہ، ہمیشہ سے بڑھ کر تھا۔ ''خاص نمبر پڑھ کر تعریف کے لیے میرے ذہن میں یہی الفاظ اُبھرے۔ ساری کہانیاں زبردست تھیں۔ کسی ایک کو کم یا زیادہ کہنا زیادتی ہوگی۔ چاہے وہ بلاعنوان کہانی ہو یا اشتیاق احمد کا ناول ہو۔ بے غرض نیکی یا دو ریمس آدمیوں کا قصہ۔ غرض ساری ہی کہانیاں اچھی تھیں اور معلوماتی مضامین جیسے سکوں کی کہانی (محمد احمد سبزواری) اور زمین کی کہانی (ڈاکٹر سہیل برکاتی) سب بہت زبردست تھے، جن کو پڑھ کر معلومات میں بہت اضافہ ہوا، لطیفے بھی سارے نئے تھے، پڑھ کر مزہ آیا۔ خاص نمبر کے لیے میرے اور میری بیٹی میں جھگڑا بھی ہوا کہ کون پہلے پڑھے گا، مگر چوں کہ میں امی جان ہوں تو اس کا فائدہ بھی اُٹھایا اور پہلے میں نے پڑھا پھر بیٹی کو دیا۔ میری بیٹی کو جب سے اردو پڑھنی آئی ہے، وہ تب سے ہمدرد نونہال پڑھ رہی ہے۔ اب ہمدرد نونہال پڑھنے کا فائدہ یہ ہوا کہ جب حفظ کی تکمیل کے بعد اسکول شروع ہوا تو میری بیٹی اچھی اردو کی وجہ سے جو ہمدرد نونہال کی وجہ سے ممکن ہوئی، اپنی ساتھیوں میں نمایاں ہے۔

حبیب اشرف صبوحی، لاہور

❁ ہمدرد نونہال ساٹھ سال کی عمر ہونے کے باوجود اس میں نکھار پیدا ہو رہا ہے اور اس کی مقبولیت میں بچوں سے لے کر بڑوں تک اضافہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مقبولیت میں دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ محترم برکاتی صاحب بھی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ جنھوں نے پہلے روز سے آج تک اس کے معیار کو قائم رکھا ہے، بلکہ اس کو بہتر سے بہتر بنانے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ پہلی بات کے صفحے پر جن بزرگوں نے اس رسالے کی علمی خدمت کی، اس میں والد محترم (جناب اشرف صبوحی) کا نام بھی تھا، جس کے لیے میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ لوگوں نے اپنے بزرگوں اور اپنے ہم عمروں کو یاد رکھا۔

❁ ہمدرد نونہال کا خاص نمبر خوب سے خوب تر تھا۔ اس کی جتنی تعریف کریں کم ہے۔ سرورق دیکھ کر ہی ہمیں اندازہ ہو گیا کہ آپ نے ہمارے لیے کتنی محنت کی ہے۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔ ساری کہانیاں تعریف کے لائق تھیں اور خاص طور پر اشتیاق احمد کے ناول ''موت کا گڑھا'' کے کیا کہنے۔ جتنی بھی کہانیاں، نظمیں، مضامین وغیرہ تھے، سب اپنی مثال آپ تھے۔ انکل! ہمدرد نونہال کے خاص شمارے میں آپ کی تصویر دیکھ کر اپنی سوچ پر بہت غصہ آیا، کیوں کہ پہلے آپ کی عمر کا اندازہ نہیں تھا۔ ہم کہتے تھے کہ شاید آپ ہماری کہانیوں کو بغیر پڑھے ہی ردی کی ٹوکری کی طرف اُچھال دیتے ہوں گے، لیکن آپ کی تصویر سے یہ اندازہ ہوا کہ آپ اس عمر میں بھی انتھک محنت کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی سوچ پر بہت ہی ندامت ہوئی۔ ہمیں معاف کر دیں اور ساتھ ہی خوشی بھی ہوئی کہ آپ کو اعلا ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ ثمرین عبدالصمد، کن ہٹ۔

جواب: نہیں ثمرین! تم نے صاف صاف لکھ دیا۔ اس میں ندامت کی کیا بات ہے۔

❁ جاگو جگاؤ، پہلی بات، حمد باری تعالیٰ، روشن خیالات پڑھ کر دل و دماغ کو سکون ملا۔ بچپن کی یادیں (سعدیہ راشد) بہت پسند آئی۔ آج کی دنیا کے اہم مسلمان شہید حکیم محمد سعید انکل کا اچھا لگا۔ کہانیاں سب بہترین تھیں۔ ناہید نورانی، کراچی۔

❁ خاص نمبر بہت ہی زبردست رہا۔ کہانیوں میں سکوں کی کہانی (محمد احمد سبزواری)، بیٹے کا تحفہ (نیر نعیم)، زمین کی کہانی (ڈاکٹر سہیل برکاتی)، ایک سال کی زندگی (سائرہ غفار)، گلاب بادشاہ کا فیصلہ (عمیر اسید)، گاؤں کا ڈاکٹر (یاسمین حفیظ)، معصوم چور (اُمِ عادل)، پانی پت کا میدان (غلام حسین میمن)، گلہری شہزادی (ادیب سمیع چمن)، خونی بڑھیا (سمعیہ غفار)، بلاعنوان انعامی کہانی (ثمینہ پروین) بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ مریم معین، کراچی۔

❁ خاص نمبر بہت پسند آیا۔ یہ سب آپ اور آپ کی ٹیم کی محنت کا نتیجہ ہے۔ ہمایوں طارق، ملتان۔

❁ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ اشتیاق احمد کا ناول تو بہت سنسنی خیز تھا اور دل چسپ لگ رہا تھا۔ اس مہینے کا خیال بہت اچھا تھا۔ دو ریمس آدمیوں کا قصہ (مسعود احمد برکاتی)، بچپن کی یادیں (سعدیہ راشد)، زمین کی کہانی (ڈاکٹر سہیل برکاتی)، موت کا گڑھا (اشتیاق احمد)، کیجڑ ایم، گلاب بادشاہ کا فیصلہ اچھی کہانیاں تھیں۔ غرض ہر زاویے سے بہت خوب اور اچھا تھا۔ آفتاب خان خٹک، کرک۔

❁ کہانیوں میں موت کا گڑھا کے علاوہ بلاعنوان کہانی، چنگ چیا، گلہری شہزادی بہت پسند آئیں۔ تمام رسالہ خوب تھا۔ میں نے بہت سے لوگوں سے یہ حدیث نبوی سنی ہے: ''علم حاصل کرو چاہے تمھیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔'' کیا دورِ نبویؐ میں چین کا وجود تھا؟ اولیس محمد سہیل چاولہ میمن، کراچی۔

جواب: چین کی تاریخ بہت پُرانی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے تین ہزار سال پہلے کی تاریخ میں اس کا ذکر ہے۔ مشہور فلسفی کنفیوشس ساڑھے پانچ سو سال قبل مسیح میں پیدا ہوا تھا۔ البتہ اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

❁ خاص نمبر شروع سے آخر تک بہت زبردست تھا۔ اشتیاق احمد کے ناول کا تو کوئی جواب نہیں اور تمام نظمیں اور کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ لطائف بالکل نئے اور مزے دار تھے۔ مدحت عزیز، کراچی۔

❁ جاگو جگاؤ، پہلی بات ہمیشہ کی طرح خوب تھی۔ نظمیں ساری ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ''فقیر کی دعا'' (محمد ظریف خاں) ایک منفرد نظم تھی۔ مضامین کے بارے میں اگر اپنی رائے دوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سا مضمون سب سے اچھا تھا۔ سارے مضامین ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ عاصمہ فرحین، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال کا خاص نمبر پڑھ کر میری باچھیں کھل گئیں۔ ناول تو بہت مزے کا تھا اور واحد بھائی کے کارنامے پڑھ کر ہنسی نہیں رک رہی تھی، مزہ آ گیا۔ محمد فیضان اصغر، لاہور۔

❁ انتہائی زبردست خاص نمبر دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ بالکل مکمل آب و تاب سے چمکتا ہوا پھول آپ کو، آنٹی سعدیہ کو اور پوری نونہال ٹیم کو میری طرف اتنا زبردست نونہال خاص نمبر پر مبارک باد قبول کیجیے۔ سرورق بس ٹھیک تھا۔ خاص نمبر دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ آپ نے کتنی محنت سے اسے سجایا ہے۔ شاہ رول، چاہ شتارے والا۔

❁ جون کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیاں بہت پسند آئیں۔ دو ریمس آدمیوں کا قصہ بہت اچھی کہانی تھی۔ پہلی بات نمبر لے گئی۔ اس مہینے کا خیال بہت اچھا تھا۔ انکل! میں ہر بار کوئی نہ کوئی تحریر ضرور بھیجتی ہوں، مگر میری تحریر چھپتی نہیں ہے۔ اب میرا دل نہیں چاہتا کہ میں کوئی تحریر بھیجوں۔ ذوقش منیر، میر پور خاص۔

❁ خاص نمبر بہت لاجواب اور سپرہٹ تھا۔ نئی نئی معلومات پڑھ کر ہمارے علم میں اضافہ ہوا۔ انکل! خاص نمبر کا ایک صفحہ ہمارے لیے اور بھی خاص تھا۔ اس

ملنے کو دیکھ کر ہم تو خوشی سے جھوم اٹھے۔ اس صفحے پر آپ کی تصویر جو تھی اور وہ بھی ادب و صحافت کی خدمت پر "لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ" لیتے ہوئے۔ پارس فدا حسین کیریو، کراچی۔

● خاص نمبر انتہائی عمدہ تھا۔ آپ سب کی محنت اس میں نظر آ رہی تھی۔ خاص تحفہ بھی بہت اچھا لگا۔ انکل! میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا مولانا محمد علی جوہر کا ہمدرد نونہال سے کوئی تعلق تھا، کیوں کہ انھوں نے بھی تو ہمدرد اخبار شائع کیا تھا۔ عائشہ خالد، راولپنڈی۔

جواب : نہیں بیٹی! مولانا جوہر کا تو ۱۹۳۱ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ ہمدرد نونہال ۱۹۵۳ء سے شروع ہوا ہے۔ ہاں مولانا نے اپنا اخبار "ہمدرد" ۱۹۱۳ء میں جاری کیا تھا۔

● سمجھ میں نہیں آیا کہ خاص نمبر کی تعریف کن الفاظ میں کروں۔ کہانیوں میں سب سے اچھی باعنوان انعامی کہانی (ثمینہ پروین) لگی۔ اس کے علاوہ خونی بڑھیا (سعیہ غفار یاسین)، کبڑا اِنیم (حسن منظر)، دو رئیس آدمیوں کا قصہ اور بے غرض نیکی دل کو بھا گئی۔ زمین کی کہانی (ڈاکٹر سہیل برکاتی) پڑھ کر معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ خاص نمبر کا خاص تحفہ نئی معلومات بھی پسند آیا۔ سید محمد عباس، کراچی۔

● علم کا سفر (مسعود احمد برکاتی)، سکوں کی کہانی، زمین کی کہانی، خدا کی اہمیت، وقت کی اہمیت اور میں نے ہمدرد نونہال سے کیا سیکھا (شائستہ زریں)۔ ان سب مضامین میں گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ش۔ م۔ وائش، میانوالی۔

● کیا زبردست خاص نمبر تھا۔ بہت عمدہ، لاجواب۔ آپ لوگوں نے واقعی خاص محنت سے اسے ترتیب دیا۔ موت کا گڑھا ناول بہت پسند آیا۔ مزاحیہ تحریر چنگ چیا بہت اچھی لگی۔ معلومات کے حوالے سے زمین کی کہانی (ڈاکٹر سہیل برکاتی) ایک زبردست تحریر تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سکوں کی کہانی (محمد احمد سبزواری) بھی اچھی لگی۔ محمد اعظم مغل، ڈگری۔

● باعنوان انعامی کہانی بہت زبردست تھی اور چنگ چیا (نوشاد عادل) بھی مزاح سے پُر تھی، لیکن پھر بھی خاص نمبر اس بار ہمیں خاص نہیں لگا۔ عاصمہ عبدالحمید راٹھور، پتا نامعلوم۔

● خاص نمبر بہت پسند آیا۔ کہانیاں ساری قابلِ تعریف تھیں۔ لہٰذا کسی ایک کی تعریف کرنا زیادتی ہوگی۔ سجاد علی، کراچی۔

● جون کا شمارہ لاجواب تھا۔ سبھی تحریریں اچھی لگیں۔ ہنسی گھر پڑھ کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اسامہ طلحہ، ڈگری۔

● جون کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ سبھی تحریریں زبردست تھیں۔ کہانیوں میں چنگ چیا (نوشاد عادل)، موت کا گڑھا (اشتیاق احمد)، دو رئیس آدمیوں کا قصہ (مسعود احمد برکاتی) اچھی لگیں۔ محمد طلحہ مغل، ڈگری۔

● کہانیاں بہت ہی اچھی تھیں، مگر خونی بڑھیا، ایک بچہ کم ہے اور موت کا گڑھا بالکل بھی اچھی نہیں تھی۔ کہانیوں میں سکوں کی کہانی، بے غرض نیکی، دو رئیس آدمیوں کا قصہ، کبڑا اِنیم، چنگ چیا اور باعنوان انعامی کہانی تو بہت ہی اچھی تھی۔ فرح ناز ابراہیم انصاری، سانگھڑ۔

● ہمدرد نونہال کا خاص نمبر اپنی مثال آپ تھا۔ دو رئیس آدمیوں کا قصہ، چنگ چیا اور ایک بچہ کم ہے (جدون ادیب) بہت اچھی تحریریں تھیں۔ نوشاد عادل کی کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ صفیہ حق، ملتان۔

● کہانیاں تو سب ہی بہت اچھی تھیں، لیکن سب سے زیادہ اشتیاق احمد کی کہانی موت کا گڑھا اچھی لگی۔ خدا کی اہمیت بھی اچھا مضمون تھا۔ زمین کی کہانی (ڈاکٹر سہیل برکاتی) معلوماتی کہانی تھی اور ہاں معلومات کی کتاب بلکہ کتابچہ تو بہترین تحفہ تھا۔ احمد سلمان، گوجرانوالہ۔

● جون کا نونہال اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ اس قیمتی خزانے میں دل چسپی، حیرت، معلومات سمیت سب کچھ خاص تھا۔ اتنا جامع خاص نمبر نکالنے پر ڈھیر ساری مبارک باد۔ محمد زبیر ارشد، ملتان۔

● یوں تو خاص نمبر مکمل معلومات سے بھرپور ہے۔ کہانیاں سب ہی سبق آموز اور دل چسپ ہیں، مگر اشتیاق احمد کا ناول موت کا گڑھا بہت پُر اثر تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی تحریر علم کا سفر، محمد احمد سبزواری کا مضمون سکوں کی کہانی، محترم حکیم سعید صاحب کی تحریر آج کی دنیا کے ہم مسلمان، وقت کی اہمیت بہت خوب تھیں۔ کہانیاں بھی سب بہت اچھی ہیں۔ ام عادل، کراچی۔

● خاص نمبر اپنی مثال آپ تھا۔ تعریف کرنے کے لیے الفاظ ہی نہیں ملتے۔ تحریریں ایک سال کی زندگی (سائرہ خان)، بیٹے کا تحفہ (نیر مریم)، میں نے ہمدرد نونہال سے کیا سیکھا (شائستہ زریں)، گاؤں کا ڈاکٹر اور اشتیاق احمد کا ناول "موت کا گڑھا" عمدہ تھیں۔ ہمیشہ کی طرح لطیفے، علم دریچے، نونہال ادیب اور "ادھر اُدھر سے" بہترین تھے۔ شہریار گوندل، منڈی بہاءالدین۔

● جون کا شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔ سرورق تو بہت ہی پسند آیا۔ کہانیوں میں خونی بڑھیا بالکل پسند نہیں آئی۔ لطیفے پسند آئے۔ کہانیاں سب ہی اچھی لگیں۔ صبا محمد یوسف، سانگھڑ۔

جواب : صاف گوئی اچھی لگی۔

● جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک پورا شمارہ معیار کی بلندیوں پر فائز تھا۔ ضیاء الحسن ضیا کی حمد باری تعالیٰ دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ کہانیوں میں سائرہ غفار صاحبہ کی ایک سال کی زندگی، حمیرا سعید کی گلاب بادشاہ کا فیصلہ اور

یاسمین حفیظ کی گاؤں کا ڈاکٹر دل کی آنکھوں سے پڑھنے کے لائق تھیں۔ ثمینہ پروین کی باعنوان انعامی کہانی تجسس سے بھرپور تھی۔ نظموں میں "اپنا وطن"، "ہمیں سب سے آگے بڑھنا ہے" اور "سچی باتیں کہتا تھا وہ" دل کو موہ لینے والی تھیں۔ پرنس راجا ثاقب محمود ہاتی جنجوعہ، راجا عظمت حیات، راجا نزہت حیات، پنڈ دادن خان۔

● خاص نمبر لاجواب تھا۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ بیٹے کا تحفہ (نیر مریم)، گاؤں کا ڈاکٹر (یاسمین حفیظ)، میرا بچپن پڑھ کر تو بہت ہنسی آئی۔ بچپن کی یادیں (سعدیہ راشد)، چنگ چیا (نوشاد عادل)، معصوم چور (ام عادل) اور باعنوان کہانی (ثمینہ پروین) بہت خوب صورت تھی۔ ناول تو حد سے زیادہ دل چسپ، سنسنی خیز اور خوب صورت تھا۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ خونی بڑھیا بھی بہت دل چسپ تھی۔ انکل! مجھے تاریخی واقعات اور اشعار بھیجنے کا بہت شوق ہے۔ سارہ حامد، فیصل آباد۔

جواب : کوئی سبق آموز اور مختصر تاریخی واقعہ بھیج دیں۔ اچھا ہوا تو چھپ جائے گا۔

● خاص نمبر پہلے تمام نمبروں سے آگے بڑھ گیا۔ اس بار بڑے ادیبوں اور شاعروں کی تحریریں شامل ہیں۔ یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ کو صدر پاکستان نے ادبی خدمات پر لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ کا طلائی تمغا عطا فرمایا۔ یہ اعزاز ہم سب کے لیے بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آپ ۶۰ سال سے اردو ادب کی خدمت میں مصروفِ عمل ہیں۔ کھلونا (دہلی) کے بعد نونہال پاک و ہند کا بہت زیادہ بکنے والا خوب صورت اور کم قیمت رسالہ ہے۔ جسے بچے بوڑھے شوق سے پڑھتے ہیں۔ سید شاہ عالم زہرا، کبیر آبادی، راولپنڈی۔

● ہمدرد نونہال میں موجود بے تکے الفاظ میں لکھی گئی سبق آموز کہانیاں اور دوسری تمام کارآمد معلومات مجھے بے حد پسند ہیں، کیوں کہ میرے خیال میں کتابوں کا مطالعہ کرنا ہی وقت کا سب سے بہترین استعمال ہے۔ محمد عرفان حیدر، سانگھڑ۔

● کہانیاں تو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں، لیکن موت کا گڑھا (اشتیاق احمد) نمبر ون پر تھی۔ اس کے علاوہ ایک سال کی زندگی، بے غرض نیکی، گلاب بادشاہ کا فیصلہ، چنگ چیا، دو رئیس آدمیوں کا قصہ (مسعود احمد برکاتی)، ایک بچہ کم ہے (جدون ادیب) اور زمین کی کہانی زبردست تھیں۔ سعدیہ راشد کا مضمون بچپن کی یادیں پڑھ کر بہت اچھا۔ آپ کی تصویر دیکھ کر تو دل باغ باغ ہو گیا۔ مدیحہ حیات، جھنگ۔

● سکوں کی کہانی، بچپن کی یادیں، بے غرض نیکی، دو رئیس آدمیوں کا قصہ اور کبڑا اِنیم انتہائی زبردست تحریریں ہیں۔ نظمیں اور دیگر مضامین بھی بہت پسند آئے۔ محمد محسن علی قادری، کاموکی۔

● خاص نمبر واقعی خاص ہے۔ تمام تحریریں، مضامین، کہانیاں اور لطائف زبردست ہیں۔ بے غرض نیکی، دو رئیس آدمیوں کا قصہ، کبڑا اِنیم (حسن منظر)، معصوم چور (ام عادل) اور چنگ چیا زبردست کہانیاں ہیں۔ بالخصوص باعنوان انعامی کہانی تو انتہائی سنسنی خیز اور رگوں میں لہو منجمد کر دینے والی کہانی ہے۔ حسن رضا سردار، کاموکی۔

● خاص نمبر رنگا رنگ سرورق، دل چسپ کہانیوں، بیت بازی اور نظموں سے مزین تھا۔ بہت بہت مبارک ہو سب لکھاریوں کو جو انھوں نے اتنی محنت اور جدت سے اتنا خوب صورت اور دل کش شمارہ تیار کیا۔ تمام کہانیاں، نظمیں، بیت بازی، ہنسی گھر ٹاپ پر تھے۔ اشتیاق احمد کا سنسنی خیز ناول "موت کا گڑھا"، پروفیسر رئیس فاطمہ کی کہانی "بے غرض نیکی" اور مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریر "دو رئیس آدمیوں کا قصہ" اپنی مثال آپ تھے۔ محمد جعفر، گروٹ۔

● خاص نمبر بہت اچھا تھا۔ کہانیاں بہت پسند آئیں۔ دو رئیس آدمیوں کا قصہ بہت اچھی کہانی تھی۔ پہلی بات نمبر لے گئی۔ اس مہینے کا خیال بہت اچھا تھا۔ انکل! میں ہر بار کوئی نہ کوئی تحریر ضرور بھیجتی ہوں، مگر میری تحریر چھپتی نہیں ہے۔ اب میرا دل نہیں چاہتا کہ میں کوئی تحریر بھیجوں۔ زوشش منیر، میرپور خاص۔

جواب : کہانی نہ چھپنے کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ ادب، استقلال اور صبر چاہتا ہے۔ لکھے جائیں اور چھپوا کر دم لیں۔ مایوسی بُری بات ہے۔

● خاص نمبر کی خاص کہانی اشتیاق احمد کی موت کا گڑھا تھی۔ اس کے علاوہ بیٹے کا تحفہ، بے غرض نیکی، گلاب بادشاہ کا فیصلہ، گاؤں کا ڈاکٹر، انتخاب، معصوم چور، چنگ چیا، ایک بچہ کم ہے اور باعنوان انعامی کہانی زبردست تھیں یہ خاص نمبر کی خاص کہانیاں تھیں۔ آپ کی محنت وصول ہو گئی۔ خونی بڑھیا اور مثالی صوبہ (فرزانہ روحی اسلم) بھی دل چسپ اور اچھی کہانیاں تھیں۔ آمنہ، عائشہ سعیہ، ہانیہ حسن، نازش، ناظم آباد۔

● انکل! میں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ ملنے پر آپ کو مبارک باد دیتی ہوں۔ اس مہینے کا ہمدرد نونہال بہت پسند آیا۔ سرورق کے بچے کی تصویر بھی بہت اچھی تھی۔ مہوش حسین، پتا نامعلوم۔

● خاص نمبر شان دار تحریروں سے مزین تھا، لیکن جاگو جگاؤ (شہید حکیم محمد سعید)، ایک سال کی زندگی (سائرہ غفار)، کبڑا اِنیم (حسن منظر)، گاؤں کا ڈاکٹر (یاسمین حفیظ)، میرا بچپن (پروفیسر مشتاق اعظمی)، باعنوان کہانی (ثمینہ پروین)، انتخاب (وقار محسن)، چنگ چیا (نوشاد عادل)، گجری شہزادی (ادیب سمیع چمن)، خونی بڑھیا (سعیہ غفار یاسین) اور موت کا گڑھا (اشتیاق احمد) دل چسپ اور سبق آموز تھیں۔ سکوں کی کہانی (محمد احمد سبزواری) معلوماتی تحریر تھی۔

ہنسی گھر نے تو اس دفعہ ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ محمد حمزہ اعوان، ڈی جی۔

● تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں، لیکن اشتیاق احمد کا ناول موت کا گڑھا تو بہت ہی اچھی تھی۔ ہنسی گھر پڑھ کر تو اور بھی مزہ آ گیا۔ مریم ثمرہ، فاریہ جویریا، نواب شاہ۔

● خاص نمبر کی تمام ہی کہانیاں اور مضامین اچھے لگے۔ ناول بھی شان دار تھا۔ سکوں کی کہانی (محمد احمد سبزواری) سے بہت مفید معلومات ملیں۔ کیا میں سرورق کے لیے تصویر (ای میل) کے ذریعے بھیج سکتی ہوں؟ شایان انیس، جہلم۔

جواب: سرورق کے لیے فوٹو گراف ڈاک سے ہی بھیجنا چاہیے۔

● اتنا اچھا خاص نمبر نکالنے پر میں آپ کو دلی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ چنگ چیا پڑھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ "ادھر ادھر" سے نیا سلسلہ پسند آیا۔ تحفہ بہت پسند آیا۔ سرورق اچھا تھا۔ وجیہہ نعیم، ملتان۔

● خاص نمبر کے تمام لطیفے نئے اور مزے دار تھے۔ نونہال مصور میں تصاویر کا انتخاب بہترین تھا۔ نونہال ادیب میں عاقب اسماعیل نے میرپور خاص کے آموں کی نمائش کے واقعات اور مناظر کو بہت خوب صورتی سے قلم بند کیا ہے۔ سارہ شیخ، میرپور خاص۔

● ہمدرد نونہال کی تعریف کے لیے میرے محدود دماغ میں الفاظ ہی نہیں، مگر دل سے کہتی ہوں "ماشاء اللہ"۔ ارم علی، پتا نامعلوم۔

● کہانیوں میں خونی بڑھیا (سعید غفار)، بچے کا تحفہ (نیر ندیم)، گلہری شہزادی (ادیب سمیع چمن)، مثالی نمونہ (فرزانہ روحی اسلم)، گلاب بادشاہ کا فیصلہ (حمیرا سعید)، دو دیس آدمیوں کا قصہ (مسعود احمد برکاتی) اچھی تھیں۔ محمد عبداللہ، حاصل پور۔

● خاص نمبر واقعی خاص تھا۔ گلاب بادشاہ کا فیصلہ، گاؤں کا ڈاکٹر (یاسمین حفیظ)، میرا بچپن، انتخاب (قار محسن)، دو دیس آدمیوں کا قصہ، گلہری شہزادی، چنگ چیا، مثالی نمونہ اور خونی بڑھیا زبردست کہانیاں تھیں۔ سلمہ عاکفین، حاصل پور۔

● خاص نمبر بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں گلہری شہزادی، چنگ چیا، خونی بڑھیا، دو دیس آدمیوں کا قصہ، بے غرض نیکی، معصوم چور، ایک سال کی زندگی، گلاب بادشاہ کا فیصلہ، کمزور ایم اور مثالی نمونہ بہترین کہانیاں تھیں۔ نونہال ادیب میں "بہترین ادیب" اچھی تھی۔ فاطمہ صفدر، حاصل پور۔

● جون کے شمارے میں تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ بلا عنوان کہانی تو ہمیشہ کی طرح بہت ہی اعلا تھی۔ خاص نمبر تو واقعی خاص تھا۔ سوچ سے بھی زیادہ اور تحفہ بھی پسند آیا۔ رضوان احمد، کراچی۔

● ہر کہانی شان دار تھی اور ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ خاص طور سے بے غرض نیکی، دو دیس آدمیوں کا قصہ، موت کا گڑھا، گاؤں کا ڈاکٹر، گلہری شہزادی (ادیب سمیع چمن)، بلا عنوان کہانی بھی بہترین کہانی تھی۔ عروبہ امتیاز خان، کراچی۔

● خاص نمبر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ واقعی آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اکثر کہانیاں اچھی تھیں۔ سب سے اچھی بلا عنوان کہانی تھی۔ بے غرض نیکی اور ایک بچہ کم ہے بالترتیب دوسرے اور تیسرے نمبر پر تھی۔ موت کا گڑھا بھی بہترین تھا۔ جب کہ چنگ چیا کچھ خاص نہیں تھی۔ فاطمہ عبداللہ، کراچی۔

● خاص نمبر کی تعریف کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔ کہانیاں تو سب بہت عمدہ تھیں، لیکن دو دیس آدمیوں کا قصہ، موت کا گڑھا اور چنگ چیا تو ریکارڈ توڑ تھیں۔ ہنسی گھر کے لطیفے اور بیت بازی کے اشعار بہت ہی زبردست تھے۔ شعور رفاقت، حیدر آباد۔

● ماہ جون کا شمارہ زبردست تھا۔ ہر کاوش قابل تعریف تھی۔ آپ کی تحریر "دو دیس آدمیوں کا قصہ" بہت کام کی تحریر تھی۔ سر! مجھے بچپن سے ہی لکھنے کا شوق ہے اور اب شوق بہت بڑھ چکا ہے۔ آپ سے اجازت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اچھا اقبال مگسی، ساہیوال۔

جواب: آپ شوق پورا کریں۔ لکھیں، خوب محنت سے لکھیں اور بھیجیں۔ اگر شروع میں نہ چھپے تو بد دل نہ ہوں، لکھنا جاری رکھیں۔ ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

● جون کا سرورق، کھلکھلاتا، جگمگاتا، کہانیوں سے بھرا، لطیفوں سے سجا، نظموں سے مہکا، خوب صورت اور پیارا ناول کش خاص نمبر دیکھتے ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ خاص نمبر واقعی خاص نمبر نکلا۔ میرے پاس تعریف کے الفاظ نہیں ہیں۔ ہمدرد نونہال کی مقبولیت کی وجہ یہی ہے کہ ہمارا سچا دوست ہے، ایسا دوست جو قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے، اچھے بُرے کی تمیز سکھاتا ہے، نیکی اور بدی کا فرق بتاتا ہے اور ایسا مخلص دوست ہے جو ہمیں سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ شیخ حسن جاوید، عافیہ خان، حوریہ خان، کراچی۔

● اس بار خاص نمبر میں کہانیاں صرف چند اچھی تھیں۔ سب سے اچھی کہانی کمزور ایم اور دوسری بے غرض نیکی، دو دیس آدمیوں کا قصہ اور موت کا گڑھا، عاجز وقت اور ہنسی گھر بہت اچھے تھے۔ بلا عنوان کہانی میں مزہ نہیں آیا۔ خاص نمبر کا گفٹ بہت پسند آیا۔ محمد شبیر احمد شیخ، جھمرہ۔

● صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری کی جانب سے لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ اور دنیا کا سب سے بہترین خاص نمبر نکالنے پر مبارک باد کا گلدستہ قبول فرمائیں۔ اشتیاق احمد کا سنسنی خیز ناول تو خاص نمبر کا دماغ تھا۔ اس مہینے کا خیال سونے سے لکھنے کے قابل تھا۔ محترمہ ثمینہ پروین کی تحریر اچھی پسند آئی اور نوشاد عادل کی چنگ چیا نے تو ہنسا ہنسا کر بُرا حال کر دیا۔ دو دیس آدمیوں کا قصہ اور سعدیہ راشد کا مضمون بھی قابل دید تھا۔ محترم حسن ذکی کاظمی مرحوم کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ ماہا نور وقار، جہلم۔ ☆

بیت بازی

بجا کہے جسے عالم اُسے بجا سمجھو
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

شاعر: شیخ ابراہیم ذوق — پسند: مریم معین، کراچی

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

شاعر: علامہ اقبال — پسند: محمد جعفر، گروٹ

تدبیر یہ ہے کہ اب سنبھل کر
ہم، آپ کھڑے ہوں اپنے بل پر

شاعر: شبلی نعمانی — پسند: ثوبیہ اعوان، ایبٹ آباد

عدم جینے کے گُر سیکھو کسی سے
سنا ہے زندگی بھی ایک فن ہے

شاعر: عبدالحمید عدم — پسند: رضا علی بلوچ، مستونگ

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

شاعر: مولانا الطاف حسین حالی — پسند: حیدر خان، ٹانک

جس طرح ممکن ہو تعمیرِ چمن کرتے رہو
کام اپنا اے محبانِ وطن، کرتے رہو

شاعر: احسان دانش — پسند: مبشر خان، کوہستان

مجھے کچھ زخم ایسے بھی ملے ہیں
کہ جن کا وقت بھی مرہم نہیں ہے

شاعر: عبیداللہ علیم — پسند: جمیل احمد، اسکردو

یہاں کسی سے اُمیدِ وفا نہ کر کوثر
یہی سمجھ لے کہ یہ دور پتھروں کا ہے

شاعر: کوثر نیازی — پسند: مریم اقبال، حیدر آباد

وہ حیلہ گر ہیں، جو مجبوریاں شمار کریں
چراغ ہم نے جلائے، ہوا کے ہوتے ہوئے

شاعر: سردار جعفری — پسند: مختار علی، کراچی

زمانے بھر سے نرالی ہے آپ کی منطق
ندی کو پار کیا کس نے اُلٹی کشتی میں

شاعر: شکیب جلالی — پسند: مہک اکرم، لیاقت آباد

جب تک کھلے نہ تھے در و دیوار کے عذاب
ہم بھی یہ سوچتے تھے کہ گھر ہونا چاہیے

شاعر: سحر انصاری — پسند: ممتاز شیخ، لاڑکانہ

میں اس کا دوست ہوں، وہ اعتراف کرتا ہے
مگر وہ باتیں بھی میرے خلاف کرتا ہے

شاعر: قتیل شفائی — پسند: پارس احمد خان، کراچی

اک زندگی عمل کے لیے بھی نصیب ہو
یہ زندگی تو نیک ارادوں میں کٹ گئی

شاعر: جلیل قدوائی — پسند: سندس علی، پشاور

یہ میری آنکھیں اگر غم چھپانے والی ہیں
تو پھر کہانیاں لوگوں نے کیوں بنالی ہیں

شاعر: حسن اکبر کمال — پسند: جلیل الرحمٰن بلوچ، سبی

جوابات معلومات افزا - ۱۹۸

سوالات جون ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئے تھے

۱۔ توحید کی ضد شرک ہے۔

۲۔ مدینہ منورہ سے تین میل دور حضور اکرمؐ نے مسجد قُبا تعمیر کرائی تھی۔

۳۔ قرآن مجید کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھی تھی۔

۴۔ پاکستان کی واحد خاتون محترمہ فاطمہ جناح تھیں، جنھوں نے پاکستان کا صدارتی انتخاب لڑا تھا۔

۵۔ پاکستان کا پہلا ایٹمی بجلی گھر ۲۸ نومبر ۱۹۷۲ء میں کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔

۶۔ جب پاکستان میں دن کے بارہ بجتے ہیں تو اس وقت کینیڈا میں رات کے دو بجے کا وقت ہوتا ہے۔

۷۔ مشہور ریاضی داں ارشمیدس یونان کا باشندہ تھا۔

۸۔ ناصر الدین محمود شاہ ۱۲۴۶ء میں ہندستان کا حکمران بنا تھا۔

۹۔ امیر کروڑ کو پشتو زبان کا پہلا تحریری شاعر کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ مشہور شاعر فانی بدایونی کا اصل نام شوکت علی خاں تھا۔

۱۱۔ ہندستان کے مغل بادشاہوں کا تعلق چنگیز خاں کی نسل سے ہے۔

۱۲۔ رومن ہندسوں میں ۴۹ کا عدد انگریزی کے حروف ''IL'' سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

۱۳۔ ''اوسا'' کا جاپان مشہور شہر ہے۔

۱۴۔ آئس لینڈ کی کرنسی کرونا کہلاتی ہے۔

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔''

۱۶۔ اکبرالہٰ آبادی کے شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ رنج لیڈر کو بہت ہے، مگر آرام کے ساتھ

انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: عمران عبدالقادر، وانیا جنید، سید علی مسعود ☆ لاہور: محمد حسن، امروز اسلم ☆ راولپنڈی: محمد عبداللہ بن طلحہٰ، عامرہ یاسین ☆ عمر کوٹ: محمد نادر قائم خانی، محمد خاں قائم خانی ☆ دینہ جہلم: محمد خلیل چودھری ☆ پنو عاقل: محمد وقاص خواجہ ☆ میر پور خاص: عدیل احمد، افشین کنول ☆ کھوڑہ راولپنڈی: ردا رحمٰن ☆ سبی: محمد نواز سومرو ☆ کلور کوٹ بھکر: محسن قیوم ☆ ضلع کرک پختونخواہ: روحین زماں۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: ساجدہ ایم بخش، زہرہ شفیق، مزنٰی حسین، سیدہ ماہ نور طارق، سید بلال حسین ذاکر، محمد بلال صدیقی، کائنات حامد علی، جویریہ کفیل، اُم مریم خالد، طیبہ بتول، ہما سلیم، ثنا حنیف، مصباح نثار احمد، عمیر راجپوت، اریبہ احمد لاکھانی، عفت اسلم، فرحان فہیم، عطاء الرحمٰن شاہد، حفصہ عزیز، نثار خان امازئی، اسماء ارشد، مہوش اختر، محمد حمزہ الطاف، سیدہ زہرہ امام، سیدہ ثوبیہ ناز، نعیم رحمٰن، ارحمہ اصف فیض ☆ حیدر آباد: ثمین فاطمہ، ایمن عائشہ عبداللہ ☆ میر پور خاص: عاقب اسمٰعیل، ندا نذیر، عاصمہ عبدالحمید، کائنات محمد اسلم ☆ منتقیاری: عنبرین بنت محمد عمر دراز ☆ بہاول پور: احمد ارسلان راجا، سعید احمد، وردہ فہد، حنا بلقیس، صباحت گل، قرۃ العین یمنٰی، ایمن نور ☆ بہاول نگر: سید طلحہٰ افضال حسین گیلانی ☆ لاہور: ڈاکٹر سارا الیاس خاں ☆ آزاد کشمیر: شیراز رفیق چغتائی، شہریار احمد چغتائی ☆ تلہ گنگ: عاطف ممتاز ☆ کاموکی: حسن رضا سردار ☆ ملتان: نیہا رضوان، طوبیٰ ساجد ☆ ضلع جہلم: محمد افضل ☆ پشاور: بابر علی الیاس، حانیہ شہزاد، فصیح شبیر ☆ اسلام آباد: محمد نعمان شیخ ☆ راولپنڈی: محمد حسین ساجد۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: رضی اللہ خان، ثنا اسلم خانزادہ، عائشہ ایم حنیف، فرح اسلام، فوزیہ ملک، حاسین یاسر، محمد کاشان اسلم، حذیفہ مصطفیٰ، اقبال احمد خان، محمد اویس احمد خان، محمد روحان سعید، سمعیہ عارف، ثمرہ حفیظ، عائشہ عمر فاروق، عائشہ عبداللہ، فہد فدا حسین کیریو، قبے بافخر فاطمی، رامین واحد، شیخ حسن جاوید، زعیم اختر، اجیارا بیگ، یوسف متقی، رخسانہ جنید، سید محمد طیب، سید شمطل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید ☆ ٹھٹھہ: اقصیٰ احمد، اُم کلثوم، عائشہ بی بی، الضحیٰ فاطمہ ☆ حیدر آباد: محمد صادق علی، زین حنان، مرزا فرحال بیگ، محمد اُسامہ انصاری

☆ضلع نواب شاہ سکرنڈ: عبدالغفور شاہد، صادقین ندیم خانزادہ ☆لاڑکانہ: شان بہ حیدر، سرکشا کماری ☆پرانا سکھر: سویرا خان ☆سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆کاموکی: محمد صفدان رضا قادری، حسنات حمید ☆حویلیاں: حافظ حامد عبدالباقی۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆کراچی: مہوش حسین، سید محمد عباس، احدیہ خان غوری، انشراح یاسر، جویریہ عثمانی، امبرین علیشاہ بیگ، تسمینہ ادریس کھتری، اسماء ضیاء، صائمہ محمود، محمد آصف انصاری، ناعمہ تحریم، محمد طاہر احمد خان، شاہ سلیمان علی، عروبہ امتیاز خان، تابندہ آفتاب ☆حیدرآباد: شہوو سخاوت، طٰہٰ یاسین، جبرنا بھشوری ☆جامشورو: نادر علی جھتیال ☆ڈگری: محمد طلحہٰ مغل، محمد اعظم مغل، اُسامہ طلحہٰ ☆نوشیرہ کینٹ: پیرزادہ احمد علی ☆کرک: آفتاب خان خٹک ☆اوتھل بلوچستان: مدیحہ رمضان، شفیق محمد علی ☆کوئٹہ: میمونہ فتح محمد ☆فیصل آباد: وقاص شوکت ☆لاہور: عائشہ مجید، ایمان فہمید، امتیاز علی ناز ☆ملتان: نمیرا بی بی، حافظ محمد یوسف کشمیری ☆خیبر پختونخواہ صوابی: فرحین علی خان۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُرامید نونہال

☆کراچی: قانتہ نعیم، ندا عادل، طہورا عدنان، سلمہٰ محمد صلاح الدین، علشبہ وحید، نیہا آصف، سید حماد شکیل احمد، فاطمہ شفقت، محمد زبیر، واجد تگینوی، محمد طاہر آصف خان، محمد عذیر خان، اویس محمد سہیل ☆خیر پور میرس: ریحانہ راجپوت ☆ڈگری: حافظ محمد عظیم، دانش مغل ☆شکار پور: صبا عبدالستار شیخ ☆اکاڑہ: محمد شعیب امین، رامین نور ☆تحصیل و ضلع کرک، محمد آفتاب عالم ☆ہری پور ہزارہ: ریان آصف خانزادہ ☆ملتان: سیدہ لبابہ ہاشمی، محمد زبیر ارشد، صفیہ حق ☆کوئٹہ: ماجد نواز ☆فیصل آباد: اسوہ علی، ولید اکرم ☆واہ کینٹ: سعدیہ تنویر ☆چوا سیدن شاہ: محمد دانیال مسعود ☆ضلع جھنگ: احمد اسعد عباس ☆جہلم: پرنس راجا ثاقب محمود ☆لاہور: سلمان عرفان ☆سید اشریف ضلع منڈی بہاؤالدین شہریار گوندل، ☆سکھر: دلشاد انصاری، محمد حسیب عباسی ☆اسلام آباد: سید محمد مندر رضا ☆گوجرانوالہ: شہرین صادق۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُراعتماد نونہال

☆کراچی: سید سلمان جاوید نجمی، منزہ سلیم، سیمکا خان، حریر ناز، محمد عثمان شاہد، انس نسیم خان، روحیل علی خان، محمد دانیال، ثاقب تنویر، سمعیہ کنول ☆حیدرآباد: غلام محی الدین، احمد رضا، سبرینہ رضوان احمد، ملک محمد زاہد ☆جھڈو میرپور خاص شہزیم راجا ☆سکھر: خدیجہ انیس، محمد فرقان شیخ ☆نواب شاہ: محمد عبداللہ، مریم سعید ☆ملتان: حافظ عبدالمقیت چغتائی ☆خانیوال: میمونہ انوار الحق ☆حسن ابدال: محمد کامران ☆راولپنڈی: ثانیہ گلزار ☆فیصل آباد: حفصہ عبدالصمد۔ ☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جون ۲۰۱۲ء میں محترمہ ثمینہ پروین کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع کی گئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد صرف ایک عنوان "انوکھا امتحان" کو بہترین قرار دیا ہے۔ یہ عنوان مختلف شہروں سے بہت سے نونہالوں نے بھیجا ہے۔ ہر شہر کے نونہالوں کے درمیان الگ الگ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر شہر سے ایک ایک نونہال کا نام قرعہ اندازی میں نکالا گیا۔ اس طرح گیارہ نونہال انعام کے مستحق قرار پائے۔ درج ذیل نونہالوں کو انعام کے طور پر کتاب روانہ کی جا رہی ہے:

۱۔ علی اصغر، گلشن اقبال، کراچی
۲۔ راضیہ سید، بنگش کالونی، راولپنڈی
۳۔ دلشاد انصاری، شیخ شہین روڈ، سکھر
۴۔ عبدالخالق، غلام محمد آباد، فیصل آباد
۵۔ منزہ بنت محمد عمر دراز راجپوت، نیو سعید آباد، ٹیاری
۶۔ انعم شاہد انصاری، انصاری محلہ، جھول
۷۔ اسماء ثمرین، کالا گجراں، جہلم
۸۔ ماجد نواز، سریاب روڈ، کوئٹہ
۹۔ ارسلان اللہ خان، لطیف آباد، حیدرآباد
۱۰۔ شہرین صادق، گکھڑ وسٹی، گوجرانوالہ
۱۱۔ مائدہ فاطمہ، تاج پورہ اسکیم، لاہور

﴿ یہی عنوان درج ذیل نونہالوں نے بھی بھیجا ہے ﴾

☆کراچی: فقیہہ بتول، سجاد علی، ریان العین، محمد عمران شاہ، رخسانہ جنید، سید ثوبیہ ناز، حسنین نصیر احمد، اویس محمد سہیل، انشرح یاسرا، اہیہ واحد، محمد عثمان، شاہد، سہیل احمد بابوزئی، عمیمہ امین، ارباز خان، کومل فاطمہ اللہ بخش ☆کشمور: سہیل احمد کوسو ☆فیصل آباد: عائشہ عبدالصمد ☆راولپنڈی: عامرہ یاسین۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ **کراچی:** محمد اویس احمد خاں، واجد نگینوی، نیہا آصف، رضی اللہ خاں، مریم معین، محمد طلحہٰ، عبدالاحد، محمد طاہر طلحہٰ خاں، نثار خاں امازئی، اُمِ عادل، اویس احمد، ہادیہ عبدالباری، محمد عمران شاہ، محمد دانش رفیق، ردا عادل، کرن سلیم، عروج عابد صدیقی، آمنہ احمد، فاروق احمد صدیقی، ورشہ اعجاز، فرح اسلم، محمد سعید خاں، حریر ناز، سید محمد عباس، علیشہ وحید، فدا حسین کیریو، منزہ سلیم، سندس آسیہ، عزیز اسمٰعیل، یسریٰ فرزین، عبدالرافع، گل زرین خاں، در نایاب، محمد جنید، ثنا اسد، سید فرحاد جاوید، ناعمہ تحریم، حسن عبداللہ، اشعر احمد، شازیہ انصاری، مہوش اختر، سیدہ زہرہ امام، کرن طاہر متین، ہما سلیم، قطرینہ قائم، تسمینہ ادریس کھتری، سیکا خان، ایمن عارف، عظمیٰ کنول، اریبہ سہیل احمد، عفت اسلم، عمیر راجپوت، محمد حذیفہ خاں، محمد مظفر، محمد روجان سعید، طوبیٰ صدیقی، عباس علی مونی، طہورا عدنان، جویریہ عثمانی، سید محمد طلحہٰ، سید محمد زین العابدین، حسن بن ندیم، خوش بخت، صبا توصیف، محمد دانیال، جویریہ فاروقی، فاطمہ شفقت، ثنا حنیف، کائنات حامد، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید عفان علی جاوید، اُمِ حبیبہ، وریشہ اعجاز، صائمہ محمود، عائشہ سلطان، سیدہ نمرا مسعود، بریقہ مریم، رخشی آفتاب، مزنیٰ حسین، عروسہ شیخ، مہوش حسین، ہانیہ شفیق، انس نسیم خاں، دانیا جنید، سلمہٰ محمد صلاح الدین، فرح اسلام، حمیدہ ملک، ثنا اسلم خانزادہ، عائشہ قیصر، افراح منظر، ابیہہ واحد، اُمِ کلثوم عمران، فرحاد آغا علی، حافظ محمد حارث الطاف، اسماء ارشد، شیخ حسن جاوید، ماہین عمران، محمد اُنس خاں غوری، محمد کاشان اسلم، حاسن یاسر انصاری، محمد طلحہٰ علی خاں، رضوان احمد، شاہ زین شاہ، اسماء حسن، محمد سیف اللہ، نعیم رحمان، سید باذل علی اظہر، سید شہطل علی اظہر ☆ **ٹنڈو الہیار:** انوشہ ارشد ☆ **حیدر آباد:** محمد اسامہ انصاری، فضا انصاری، طٰہٰ لیسین، فریعہ عمر بنگش، ادیب سمیع چمن، ایمن عائشہ عبداللہ، سبرینہ رضوان احمد، عارفہ طارق، ضحیٰ حنان، مرزا فرحال بیگ، احمد جنید خاں، بھویش سراج ☆ **سکھر:** رحیم بخش، ثوبیہ محمد شکیل آرائیں، اثنیٰ فاطمہ، اقصیٰ احمد، سید صفوان ☆ **میر پور خاص:** رونس، بلال احمد، عمیرہ انجم، جویریہ اسماعیل، عاصمہ عبدالحمید، اقراء نذیر احمد، سارہ شیخ، کائنات ایم اسلم، افشین ☆ **کشمور:** ثوبیہ تبسم ☆ **کرک:** محمد آفتاب خان خٹک، آفتاب عالم سرحدی ☆ **رحیم یار خان:** مہرین

ثمرین عبدالصمد، انعم شہزادی، ثمینہ اقبال ☆ **خیر پور میرس:** ریحانہ راجپوت ☆ **سانگھڑ:** محمد شبیر احمد شیخ، فرح ناز ابراہیم، محمد عرفان حیدر، محمد عاقب منصوری، سحرش محمد یوسف ☆ **ڈگری:** محمد طلحہٰ مغل، محمد اعظم مغل، حافظ محمد عظیم مغل، اُسامہ طلحہٰ مغل ☆ **نوشہرو فیروز:** سیدہ فاطمہ الزہرہ، شایان آصف خانزادہ ☆ **بھریا روڈ:** فاروق مہرالدین چوہان ☆ **نواب شاہ:** اطہر ظہور، عبدالرحمٰن سعید، محمد عبداللہ ☆ **پنوں عاقل:** محمد وقاص خواجہ ☆ **کوئٹہ:** میمونہ فتح محمد، حمیرا نواز، ماجد نواز ☆ **ٹھٹھہ:** عائشہ بی بی، الضحیٰ فاطمہ، اُمِ کلثوم، اقصیٰ احمد ☆ **بدین:** ماہ نور فاروق ☆ **اوکاڑہ:** رامین نور ☆ **لاڑکانہ:** سرکشا کماری، شازیہ حیدر ☆ **جھڈو:** شہزیم راجا ☆ **شکار پور:** محمد عامر ☆ **اوتھل لسبیلہ:** فرحان علی بھٹہ، شفیق محمد علی ☆ **راولپنڈی:** معز طارق، فصیح شبیر، ثانیہ گلزار، شاہ عالم زمرد ☆ **واہ کینٹ:** اریب احمد ☆ **لاہور:** محمد حسن سہیل، عائشہ مجید، وہاج عرفان، امروز اسلم، محمد افضل اکرم، امتیاز علی ناز، عبداللہ بن عامر، قمر النساء ☆ **پشاور:** حانیہ شہزاد ☆ **یزمان:** کاشف کامران ☆ **جہانیاں:** فوزیہ مصدق حسین قریشی ☆ **بہاولپور:** سید دانیال قمر، قرۃ العین، ایمن نور، احمد ارسلان، وردہ فہد ☆ **فیصل آباد:** ایم اسلم مغل، وقاص شوکت، سارہ حامد، عبدالخالق ☆ **ملتان:** اشوہ علی، ولید اکرام، ہمیرا بی بی، صفیہ حق، حافظ محمد یوسف کشمیری، زونیرہ آفرین، ربیعہ نعیم، سیدہ لبابہ ہاشمی، محمد زبیر ارشد ☆ **چکوال:** محمد حمزہ، عالیہ رحمٰن، محمد دانیال، عاطف ممتاز ☆ **جہلم:** پرنس راجا زہت، محمد افضل، شایان افضل ☆ **مظفر گڑھ:** حافظ ثوبیہ خاں، محمد حسان قاضی ☆ **کوٹ ادو:** محمد احمد انصاری ☆ **وہاڑی:** شاردل ☆ **منڈی بہاؤ الدین:** احمد یار گوندل ☆ **جھنگ صدر:** ذکیہ احمد، احمد عمر صہیب، روبینہ حیات ☆ **گوجرانوالہ:** احمد سلمان ملک، نواں فاطمہ ☆ **ڈیرہ غازی خان:** محمد حمزہ اخوان ☆ **بھکر:** مہوش ناز ☆ **اسلام آباد:** مومنہ بلال ☆ **سبی:** محمد نواز سومرو ☆ **آزاد کشمیر:** شیراز رفیق چغتائی، محمد جواد چغتائی ☆ **حویلیاں:** حافظ حامد عبدالباقی ☆ **مانسہرہ:** فہد شاہ ☆ **اٹک:** محمد بلال رضا ☆ **بہاول پور:** سعید احمد، حنا بلقیس، صباحت گل ☆ **پنڈ دادن خان:** نورالہدا ☆ **پختونخواہ:** فرحین علی خاں ☆ **سکھر:** محمد حسیب عباسی، خدیجہ انیس ☆ **کاموکی:** محمد صفدان رضا قادری، محمد محسن علی قادری ☆ **ملتان:** حافظ محمد مدثر چغتائی، عروبہ رضوان، بلاول ☆ **خانپور:** جام علی حیدر ☆ **ساہیوال:** محمد یوسف، محمد عمار نسیم راؤ، امجد اقبال بھٹی۔ ☆

نونہال لغت

حواس باختہ	حَ وَا سْ بَا خْ تَہ	گھبرایا ہوا۔ ہکا بکا۔ بے اوسان۔
بے باک	ب ے بَا ک	بے خوف۔ نڈر۔ دلیر۔ جری۔ بہادر۔
بے لوث	ب ے لَ وْ ث	بے غرض۔ پرخلوص۔ خالص۔ بے آمیزش۔
تابندہ	تَا بِ نْ دَ ہ	روشن۔ چمکیلا۔ نورانی۔ درخشاں۔
رخشندہ	رَ خْ شَ نْ دَ ہ	روشن۔ چمکیلا۔
سُرخ رو	سُ رْ خْ رُ و	کام یاب۔ عزت وآبرو حاصل کرنے والا۔ خوش وخرم۔
پھٹکار	پھ ٹْ کَا ر	بددعا۔ لعنت۔ بے رونقی۔ ذلت وخواری۔
اثاثہ	اَ ثَا ثَہ	سامان۔ پونجی۔ سرمایہ۔
جمگھٹا	جَ مْ گھَ ٹَا	ہجوم۔ انبوہ۔ بھیڑ۔ مجمع۔
مفاد	مَ فَا د	فائدہ۔ نفع۔ فائدے کی جگہ۔
حیلہ	حِ یْ لَہ	بہانہ۔ مکر۔ فریب۔ دھوکا۔
کفالت	کَ فَا لَ ت	ذمے داری۔ ضمانت۔ بار اٹھانا۔
پرکھا	پُ رْ کھَا	باپ دادا۔ نیک لوگ۔ بزرگ۔ جد امجد۔ بڑا بوڑھا۔ مربّی۔ مورث۔
روداد	رُ وْ دَا د	ماجرا۔ احوال۔ کیفیت۔ سرگزشت۔ عدالت کی کارروائی۔
لقب	لَ قَ ب	وہ نام جو کسی خاص خوبی یا برائی کی وجہ سے پڑ گیا ہو۔ وصفی نام۔
منتر	مَ نْ تَ ر	جادو ٹونا۔ سحر۔ افسوں۔ ٹوٹکا۔
محتاط	مُ حْ تَا ط	احتیاط کرنے والا۔ جو بہت زیادہ احتیاط رکھے۔ ہوشیار۔